ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

رمضان، عید اور ہم

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے
تمہی کہہ دو کہ یہ آئینِ وفاداری ہے
قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

(اقبالؒ)

شکوۂ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبولِ حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبۂ تبلیغ عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

نظریۂ جمہوریت

دُنیا کے سیاسی نظریوں میں جس قدر پُرفریب اور پُرتلبیس نظریۂ جمہوریت ہے اس قدر کوئی بھی نہیں ہے۔ بظاہر یہ ایک جنت ہے۔ جس میں خوف اور حزن کا نام و نشان بھی نہیں ہے، جس میں شخصی آزادی کی حفاظت ہوتی ہے۔ جس میں انسانیت کی قدر و قیمت پہچانی جاتی ہے۔ اور جس میں غربت و امارت کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ لیکن جب اس کے باطن پر نظر کی جائے تو یہ ایک جہنم نظر آتی ہے جس میں تکالیف اور پریشانیاں بھری پڑی ہیں۔ جس میں انسانیت کو کند چھری سے ذبح کیا جاتا ہے۔ جس میں شخصی آزادی کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ اور جس میں غریب و کمزور کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جمہوریت کے کل مصائب اور خرابیوں پر غور کرنے سے اس فردوس نما دوزخ کی حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے۔

مفکّرِ اسلام

مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی

"اسلام کا سیاسی نظام"

(صفحہ ۲۹۴)

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوۃ

ملتان

رئیس التحریر
ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری

مدیر
سید محمد کفیل بخاری

رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ اپریل ۱۹۹۰ء جلد ۱ شمارہ ۴

سرپرست اکابر:

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ — مولانا محمد عبداللہ مدظلہ
مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ — مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ
مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ — مولانا محمد عبدالحق مدظلہ
حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ

رفقاء فکر

سید عطاء المؤمن بخاری — سید محمد ارشد بخاری
سید عطاء المہیمن بخاری — سید خالد مسعود گیلانی
سید عبدالکبیر بخاری — عبداللطیف خالد ○ اختر جنجوا
سید محمد ذوالکفل بخاری — عمر فاروق قمر ○ محمود شاہد
قمر الحسنین ○ بدر منیر احرار

زرِ معاونت اندرونِ ملک، بیرونِ ملک

فی پرچہ :	۵/- روپے
زرِ سالانہ :	۵۰/- روپے

سعودی عرب، عرب امارات
مسقط، بحرین، عراق، ایران
مصر، کویت، بنگلہ دیش، انڈیا

امریکہ، برطانیہ، تھائی لینڈ
ہانگ کانگ، برما، نائیجیریا
جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ

سالانہ ۳۰۰/- روپے

ناشر: سید محمد کفیل بخاری۔ پرنٹر: تشکیل احمد اختر۔ مطبع: تشکیل نور پرنٹرز، پرانی غلہ منڈی ملتان۔ مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

آئینہ

دل کی بات	رئیس التحریر	۳
بیادِ شہدائے ختم نبوتؑ	سیف الدین سیف	۶
مرزائیت دین عجم کا تسلسل	چراغ حسن حسرت مرحوم	۷
اک ذرا اسیفید کا فرستان تک	سید عطاء المحسن بخاری	۱۷
گولڈن جوبلی	قمر الحسنین	۲۰
غداروں کا ترانہ	ماخوذ	۲۳
روزہ	چودھری افضل حق مرحوم	۲۵
جمعۃ الوداع	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	۲۷
رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی	محمد حسن چغتائی	۲۹
کیا سوشلزم عین اسلام ہے؟	حافظ مسعود احمد	۳۳
زبان میری ہے بات ان کی	خادم حسین	۴۰
پشتو ڈکشنری پراجیکٹ یا قادیانیت کی تبلیغ	معاصر سے انتخاب	۴۳
کشمیر ایک تاثر ماضی سے حال تک	عبدالقدوس انصاری	۴۷
شہدائے ختم نبوتؑ کے نام	ساغر صدیقی مرحوم	۵۰
غزل	ممتاز اطہر	۵۱
شہر شہر سے ڈائریاں: ربوہ	حبیب اللہ رشیدی	۵۲
ڈان کاسٹر	اسد اللہ طارق	۵۴
تلہ گنگ	ملک محمد اشفاق	۶۱
امن و امان کا مسئلہ	نمائندہ خصوصی رحیم یار خان	۶۵
احرار دوستوں کے نام	مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ	۶۷
مرزا قادیانی کذاب، کافر، مرتد، دھوکہ باز، جھوٹا مدعی نبوتؑ تھا	احسان احمد سحر کی وضاحت	۷۲

دل کی بات

اسلام کی پونے چودہ سو برس کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں کہ جب اسلام عرب کے جفاکش ماحول سے نکل کر عجم کے اسائش بھرے ماحول میں آیا تو عجمیوں نے اپنی تمام تر شکستوں کا بدلہ لینے کے لئے اسلام پر تہذیب عجم کا رنگ چڑھانے میں تمام وسائل صرف کر دئیے۔ بنو عباس کا عہد ان کے لئے بہت نفع بخش ثابت ہوا۔ انہوں نے جی بھر کے ایرانی تہذیب و تمدن کو اسلامی رنگ دیا۔ پھر ہندوستان میں ان کی عجمی سازش نے اہل اسلام کو آڑے ہاتھوں لیا۔ سرحدوں کا قرب اور شخص پرستی کی قدر مشترک نے ان کے لئے آسانیاں پیدا کیں۔ انہوں نے حکمرانوں کی ذاتی زندگی اور درباری زندگی میں دخل عمل بڑھایا اور فکری وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں بہت سی کامیابیاں حاصل کیں اور خود ایک سیاسی قوت بن کر ابھرے۔ بغداد، دکن، دلی اور لکھنؤ سازشوں کا مرکز بن گئے۔ صحابہ کرام پر علی الاعلان تبرا، لعنت، سب و شتم ہونے لگا تو مسلمانوں کی اصلاحی تحریکوں نے ان کو لگام دی مگر اقتدار سے محروم مسلم ریفارمر، عجمی کفر کی اس یلغار کو نہ روک سکے۔ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بڑے خوبصورت طریقے سے نہ صرف روکا بلکہ انہیں قعر مذلت میں پھینک دیا۔ سولہویں صدی میں انگریز ہندوستان میں وارد ہوا تو تمام ہندوستان میں انہی لوگوں نے اس کی آؤ بھگت کی۔ انگریز کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ہر عمل بد کا جواز مہیا کیا۔ مغلوں سے انتقام لینے کے لئے انہوں نے سازشیں کیں۔ تاآنکہ ۱۸۵۷ء میں انگریز ہندوستان پر قابض ہو گیا اور تمام عجمی مشرک، جاگیر دار اور عہدیدار بنا دئیے گئے اور ایک مرتبہ پھر وہ سیاسی قوت بن گئے۔ انگریز کی حاشیہ نعینی نے انہیں بے پناہ طاقتور بنا دیا۔ ہندوستان میں جب انگریز کے خلاف آزادی کی تحریک شروع ہوئی تو فرنگی کے خانہ زاد اشتریوں نے، مختاری حیلوں سے حریت پسند مسلمانوں کے لئے جینا دوبھر کر دیا۔ پنجاب کے جاگیر دار نے اس سلسلہ میں انگریز کے لئے بازوئے شمشیر زن کا کردار ادا کیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب قائداعظم نے برطانیہ سے واپسی کے بعد پاکستان کا نعرہ دیا تو یہی جاگیر دار آہستہ آہستہ قائداعظم کے گرد جمع ہو گیا اور ان کا گھیرا تنگ کر دیا۔ قائداعظم کے سیکولر ہونے کے باوجود ان کے صرف ۲۱ رمضان کے روزہ کا پروپیگنڈا، علقمی زادوں کی حوصلہ مندیوں کی بنیاد بن گیا اور انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی لیکن مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا داؤد غزنوی کی دانشمندی سے یہ لوگ اپنے سیاسی مفادات اپنی پسند کے مطابق حاصل نہ کر سکے۔ پاکستان بن جانے کے بعد ہندوستان سے آنے والے سیاہ پوشوں کو شہری جائیدادیں اور زرعی اراضی اور ملازمتیں یوں ملیں گویا پاکستان صرف انہی کے لئے بنایا گیا تھا۔ سندھ کا رافضی جاگیر دار اور پنجاب کا رافضی جاگیر دار اپنی سیاسی قوت میں اضافہ کے لئے ان سے اس طرح اعانت کر رہا تھا گویا صدیوں بعد بچھڑے ہوئے ملے ہیں اور "پیاس" بجھا رہے ہیں۔ کراچی، کاف سے یا تک، بیالیس برس سے ان کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ ایوب خان مرحوم نے اسلام آباد بسایا تو بھی انہی کے وارے نیارے ہو گئے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے اقلیتی حقوق سے بیسیوں گنا بڑھ کر براجمان ہیں۔ ایوب خاں تاشقند معاہدہ میں بھٹو کے ہاتھوں پٹ گئے۔ مشرقی پاکستان تباہی کے غار میں دھکیل دیا گیا۔ بھٹو برسر اقتدار آئے تو ان کے دائیں مرزائی تھے اور بائیں رافضی! مگر مرزائیوں نے رافضیوں کی نہ چلنے دی اور اقتدار کی جانب مسلح ہو کر بڑھنے لگے تو بھٹو نے مرزائیوں کو "ناٹ مسلم" قرار دے کر اپنا اقتدار نہایت خوبصورت طریقے سے بچا لیا۔ بھٹو صاحب نے اس عظیم کامیابی کے بعد اپنے آقائے ولی نعمت سے آنکھیں پھیریں تو الیکشن کے جھمیلے نے انہیں جیل بھیج دیا۔ فوج نے ضیاء الحق کی چھاؤں میں قدر عافیت جانی۔ بھٹو صاحب نواب احمد خاں کے قتل کیس میں تختۂ دار پر کھینچ دئیے گئے۔ تمام سیاستدانوں اور مملکت کے تمام شعبوں کے بڑے صاحب اس عمل پر چپ سادھے رہے۔ ضیاء الحق

مرحوم نے عجمی سازش کے ورکروں کو اپنے ڈیروں میں بند ہونے پر مجبور کر دیا۔ حالات نے ایک دم پلٹا کھایا اور ایران میں انقلاب آگیا۔ خمینی نے انقلاب کے بعد اپنے انقلاب کو مسلم ممالک میں ایکسپورٹ کرنا شروع کیا تو پاکستان میں دبکی ہوئی اس کی لابی، متحد و منظم کر دی گئی اور وہ تمام کے تمام بے نظیر کے گرد جمع ہونا شروع ہوگئے۔ ضیاء الحق سازش کا شکار ہوئے۔ اوجڑی کیمپ کا حادثہ ہوا، پاکستان دہل گیا۔ عارف الحسینی قتل ہوا۔ تو سیاہ پوش بپھر گئے اور پاکستان ظلمتوں کی لپیٹ میں آگیا۔ مولانا حکیم فیض عالم صدیقی سے لے کر علامہ احسان الہی ظہیر تک بیسیوں متحرک اہل سنت والجماعت مشرکین عجم کی سازش کا لقمۂ تر بن گئے۔ پیپلز پارٹی بر سر اقتدار آئی تو خمینیؔ انقلاب کے کارندے قومی وصوبائی اسمبلیوں میں اپنے ہدف سے زیادہ تعداد میں قابض ہوگئے۔ بیس سے زائد سفیر، مشیر، وزیر اور اس سے کہیں زیادہ سیکرٹری اور اسی معیار کے افسران کی تعداد اتنی ہے جو پاکستان پر بلاشرکت غیرے حکومت کر سکتے ہیں اور ہم محسوس یہ کرتے ہیں کہ عہد بے نظیر میں اہل سنت والجماعت پر حکومت رافضیوں کی ہے۔ علماء اہلسنت جو پی پی اور آئی جے آئی کے معاونین ہیں ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ مولانا حق نواز اور ان کے بعد کئی نوجوانوں کے قتل پر آپ خاموش کیوں ہیں؟ رافضیوں کو تو حق رفاقت اقتدار کی صورت میں ملا اور وہ آپ کا حق رفاقت کیا ہوا؟ اور اے حکمرانو! تم بتا سکتے ہو کیا اس عمل بد کا نام ہے جمہوریت؟ کہ اکثریت پامال اور ایک سیاہ اقلیت دندنا رہی ہے۔

کشمیر

کشمیر میں مسلمان حریت پسندوں نے کشمیر کی تاریخ بدل کر رکھ دی ہے۔ قربانی و ایثار کو ایک نیا رخ دیا ہے۔ ماضی میں بھی آزادیٔ کشمیر کی تحریکیں اٹھیں مگر تحریک کشمیر جو مجلس احرار اسلام نے برپا کی تھی یا وہ نتیجہ خیز ہوئی تھی یا اب موجودہ تحریک آزادی میں نتیجہ خیز ہو جانے کی قوت محسوس ہو رہی ہے۔ تب بھی مسلمانوں کی بزعم خود بڑی جماعتیں خاموش تھیں اور اب وہی جماعتیں بر سر اقتدار ہیں مگر مداہنت کا شکار ہیں۔ وفاق پر جاگیرداروں کا قبضہ ہے اور پنجاب پر صنعت کاروں کا! ان کی باہمی جنگ مسئلہ کشمیر کو کھٹائی میں ڈالنے کا سبب بن رہی ہے۔ وفاقی حکومت کو محض بیان بازی سے گریز کر کے کشمیر کے لئے عملی اقدام کرنا چاہیئے۔ یہ اس کے فرائض میں سے ہے۔ دینی و سیاسی جماعتوں کا کام اس سلسلے میں ایک مستحسن انفرادی عمل ہے۔ لیکن یہ کام جماعتی سطح سے بہت بلند ہے اور اصلاً یہ حکومت کا فرض ہے اگر خدانخواستہ مجاہدین کشمیر مضبوط اعانت اور سرپرستی سے محروم رہتے ہیں تو افغانستان کے مقابلے میں کشمیر پاکستان کی شہ رگ کے قریب تر ہے۔ خصوصاً اسلام آباد تو دشمن کی نگاہ میں ہے اور آزاد کشمیر میں اتنی جان نہیں ہے کہ وہ دشمن کے مقابلے میں زیادہ دیر ٹھہر سکے۔

مہنگائی

پیپلز پارٹی کی حکومت نے ڈیڑھ برس میں تیسری مرتبہ اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں اضافہ کیا اور ہر بار الزام دوسروں کے سر تھوپا۔ پہلے کہا کہ ضیاء الحق نے خزانہ خالی کر دیا تھا ہم نے مجبوراً ٹیکس لگا کر خزانہ پر کرنے کی ہلکی سی کوشش کی ہے۔ زیادہ ٹیکس نہیں ہیں اور ٹیکس تو سرمایہ دار پر لگ رہے ہیں عوام پر نہیں۔ اور اب کہا کہ پنجاب نے دو ارب روپے زیادہ خرچ کر لیئے ہیں اس لئے قیمتوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ لیکن قیمتوں میں حالیہ اضافے کا جو جواز وزیر اعظم کی کہہ مکرنیوں کے ذریعے باور کرایا جا رہا ہے اس پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی! پہلے روز کہا کہ عالمی بینک کا دباؤ بھی ہے اور خزانہ بھی خالی ہے۔ دوسرے روز فرمایا کہ دفاعی بجٹ میں اضافہ ناگزیر تھا اس لئے قوم سے قربانی مانگی ہے

اور اسے سے اگلے ہی روز "اصل" حقیقت کا "اعلان" ہوا کہ مہنگائی کا ذمہ دار پنجاب ہے۔ گویا چور آخر کار پکڑ لیا گیا، لیکن کسی نے یہ نہ پوچھا کہ پنجاب حکومت کے کئے کی سزا باقی تین صوبوں کو کیوں دی جا رہی ہے۔۔۔ اور ان سب باتوں سے قطع نظر سب سے اہم سوال یہ ہے کیا حکومتیں صرف ٹیکسوں اور اشیاء صرف کی قیمتوں میں اضافوں کا کام جانتی ہیں اس کے لئے کوئی دوسری صورت نہیں ہے؟ مرکزی حکومت نے ان چھے ماہ میں جتنا سرمایہ سیاسی قوت کے توازن پر خرچ کیا اور انسانوں کو جانوروں کی طرح خریدنے کی مہم میں جتنی دولت برباد کی اگر ایسا ظالمانہ رویہ اختیار نہ کیا جاتا تو وہی سرمایہ آج ملک و قوم کے کام آتا اور قوم پہلے سے زیادہ حکومت پر اعتماد کرتی۔ اسمبلی کے بکنے والے افراد کے مقابلے میں قوم کو نظر انداز کرنا، اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنے کے مترادف ہے۔ ہم سمجھتے ہیں بے نظیر صاحبہ کے اقتصادی مشیر نے تمام تفصیلات سیاہ حاشیوں میں سجی ہوئی پیش کی ہیں اگر ایک "پروپوزل" بھی سرخ دائرے میں فٹ کر کے پیش کی جاتی تو اغلب خیال یہ ہے کہ وزیر اعظم صاحبہ ذرا ہوش کے ناخن لیتیں۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ وفاقی حکومت اپنے اس فیصلے کو قومی و ملکی مفادات کے پیش نظر واپس لے اور اس نااہل مشیر کو ملکی مفادات کے ماتحت سبکدوش کیا جائے! اور حکومت اپنے غیر ضروری اخراجات یکسر ختم کر کے ملک کی معاشی صورت حال قابو میں کرے۔

اظہار تعزیت

برطانیہ میں احرار ختم نبوت مشن کے رہنما سید اسد اللہ طارق اور سید خالد مسعود گیلانی کے ماموں اور حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی سید منور احمد شاہ گیلانی رح آغاز رمضان میں انتقال فرما گئے۔

پتوکی میں ہمارے رفیق جناب نور محمد شاکر صاحب کے ماموں حضرت مولانا محمد سلیمان رح ۱۷ مارچ کو وفات پا گئے۔ آپ ممتاز عالم دین تھے اور گذشتہ پینتیس برس سے جامع مسجد رشیدیہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ میں درس و تدریس اور دینی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر عطا فرمائے۔

ادارہ نقیب ختم نبوت کے تمام ارکان لواحقین کے غم میں شریک ہیں

تمام قارئین و احباب رمضان المبارک کی قبولیت والی گھڑیوں میں مرحومین کے لئے دعاء مغفرت کا اہتمام کریں اپنے تمام اعزہ اقارب اور پوری امت کی بخشش کے لئے دعا کریں۔

(ادارہ)

سیف الدین سیف

بیادِ شہدائے ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء

جو آئے تھے ختمِ نبوّت میں کام
کہو اُن شہیدوں پہ لاکھوں سلام
بُھلایا نہیں وہ فسانہ ابھی
ہمیں یاد ہے وہ زمانہ ابھی
مؤذن کو مجرم بنایا گیا
نمازی کٹہرے میں لایا گیا
نبوت کے اقرار پر گولیاں
مساجد کی دیوار پر گولیاں
محمدؐ ترے نام پر گولیاں
صداقت کے پرچم جلائے گئے
شہیدوں کے لاشے چرائے گئے
جوانوں کے حلقوم تلوار پر
کئی لوگ کھینچے گئے دار پر
جنہیں بیر ختمِ رسالت سے تھا
جنہیں اک تعلّق بطالت سے تھا
ظالم وہ صیّاد پھر آ گئے
قاتل وہ جلّاد پھر آ گئے

چراغ حسن حسرت مرحوم

مرزائیت ـــــ دینِ عجم کا تسلسل

ایک چونکا دینے والا علمی و عمرانی تجزیہ

اسلام میں فتنوں کا ظہور قرونِ اولیٰ ہی سے ہو گیا تھا۔ مسیلمہ کا فتنہ اپنی قسم کا پہلا فتنہ تھا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا ادّعائے نبوت صدرِ اوّل کے اسی فتنے کی ایک ترقی یافتہ صورت معلوم ہوتا ہے۔ اس زنجیر کی درمیانی کڑیوں کے پیچ و خم میں وہ تمام تحریکیں آ جاتی ہیں۔ جو اسلام اور دوسرے مذاہب کے تصادم سے پیدا ہوئیں اور جن کی تاریخ مسلمانوں کی سیاسی قوت کے زوال اور اسلامی عقائد میں عجمی خیالات کی آمیزش کی تاریخ ہے دراصل خود قادیانی تحریک بھی اپنی ہیئت و ترکیب کے اعتبار سے مسیلمہ کذاب کے فتنے کے بجائے ان فتنوں سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔ جن کا بیج مسلمانوں کی غیر ملکی فتوحات کے زمانے میں بویا گیا۔ مسیلمہ کا دعوائے نبوت قبائلی رقابت کا نتیجہ تھا۔ اور ان عجمی تحریکوں کو مفتوح اقوام کے نسلی تعصب، کھوئی ہوئی حکومتوں کو حاصل کرنے کی خواہش اور یہودیوں اور مجوسیوں کے فکری رجحانات کی مخلوق سمجھنا چاہیئے۔

اسلام نے اپنے ظہور کے ابتدائی سنین میں آہستہ آہستہ ترقی کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو لوگ مسلمان ہوئے انہیں دربارِ نبوت میں رہنے اور اسلامی عقائد کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع ملا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد فتوحات کا سیلاب اُمڈا۔ اور روم و ایران اور مصر کی بادشاہتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ اس عہد میں لوگ نہایت کثرت سے مسلمان ہوئے ہر طرف یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا منظر دکھائی دینے لگا۔ ان لوگوں میں اکثر ایسے تھے جو اپنے آبا و اجداد کے اکثر معتقدات اور اپنی قومی روایات ساتھ لے آئے مشرکین کے بعد یہود اور نصاریٰ سے واسطہ پڑا اور ان لوگوں کے متعلق علامہ ابن خلدون کا یہ قول نقل کر دینا کافی ہے۔ کہ ان میں سے اکثر ایسے تھے جنہوں نے اسلام کو کوئی نیا دین سمجھ کر قبول نہیں کیا تھا کیونکہ اسلام انبیاءؑ اور صحفِ سابقہ کی تصدیق کرتا ہے۔ اور خود کو کوئی نیا دین نہیں بلکہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کا دین کہتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ اسلام قبول کر لینے کے باوجود بعض ایسے عقائد پر جمے رہے جو ان کے مقتدا یانِ مذہب نے خود پیدا کر لئے تھے اور جنہیں ان کے اصل دین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

اسرائیلیات کا دفتر جس سے علمائے حق نے مسلمانوں کو بچنے کی تلقین کی ہے۔ انہیں لوگوں کی تفسیر و عقائد کی کتابوں کا جزو بن گیا۔ یہود و نصاریٰ کے بعد مسلمان ایمان لوبوں زرتشتیوں اور مزدکیوں سے روشناس ہوئے۔ ان لوگوں کو اپنی نسل اور وطن کی عظمت کا بڑا غرور تھا۔ اور وہ یہودیوں کی طرح اپنے کو کائنات انسانی کی برگزیدہ ترین قوم اور مذہب کو ایک قومی متاع سمجھتے تھے۔ اس لئے ان میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو مسلمانوں کے غلبے کے بعد بھی اپنی قومی سلطنت کے قیام کی تدبیروں اور اندرونی سازشوں میں مصروف رہے۔ ان کے علاوہ ان میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا۔ لیکن ہمیشہ اسلامی عقائد کو اپنے آباء و اجداد کے عقائد سے تطبیق دینے کی سعی کرتے رہے۔ اسی سعی و تطبیق میں ان کے عقائد اسلام اور مجوسیت کا ایک عجیب و غریب مجموعہ بن کر رہ گئے جسے نہ تو خالص اسلام کہا جا سکتا ہے اور نہ کوئی دوسرا نام دیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے خدا کے تصوّر کے متعلق گمراہی پھیلی۔ پھر رسالت و امامت وغیرہ مسائل میں موشگافیاں ہونے لگیں۔ اسلام نے خدا کی تنزیہ و توحید کا جو تصوّر پیش کیا ہے۔ اس سے فکرِ انسانی بالکل نا آشنا تھی۔ یہودی ایک حد تک خدا کے تجسّم اور تشبیہ کے قائل تھے۔ عیسائی اس معاملے میں توریت کے متبع تھے۔ مجوسیوں نے الوہیت کو خیر و شر کی دو متقابل قوتوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اور خدا کی صفات میں تجسّم و تشکل پر بھی اعتقاد رکھتے تھے۔

سب سے آخر میں مسلمانوں کو بودھوں اور ہندوؤں سے سابقہ پڑا۔ اور تناسخ۔ موکھش، کرم کانڈ اور نروان وغیرہ مسائل ان کے سامنے آئے۔ چونکہ بودھ۔ ہندو اور مجوسی ایک ہی درخت کے برگ و بار ہیں۔ اس لئے خدا کے اور اپنے اساسی عقائد میں بہت حد تک ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے خدا کے تجسّم و حلول کے عقیدے کو جو تمام مذاہب میں مشترک تھا۔ مختلف شکلوں میں نمودار ہونے اور پھیلنے کا موقع مل گیا۔

اگرچہ امویوں کے عہدِ حکومت ہی میں اسلامی عقائد کی نئی توجیہ و تعبیر کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ اس وقت تک عربوں کی قدیم سادگی اور دینی عصبیت بہت حد تک برقرار تھی۔ اس لئے عجمیوں کے مخصوص افکار کو چنداں فروغ حاصل نہ ہوا۔ عباسیوں کے عہد میں اباحت و مطلق العنانی کی ہوا زور سے چلنے لگی۔ انہوں نے ایرانیوں کی مدد سے تخت و تاج حاصل کیا تھا۔ دعوتِ عباسیؒ کا سب سے بڑا نقیب ابو مسلم خراسانی خود انہیں لوگوں میں سے تھا۔ جو ایران میں ایک قومی حکومت قائم کرنے کے آرزو مند تھے۔ اگرچہ

اسے اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن حکومت میں مجوسی اثر ونفوذ حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ اسی زمانے میں بودھوں اور ہندوؤں سے مسلمانوں کے تعلقات قائم ہوئے۔ عباسیوں کے عہد میں بودھوں اور ہندوؤں کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ چنانچہ برامکہ جن کی فیاضی کے تذکروں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ابتدا میں بدھ مت کے پیرو تھے۔ ماموں الرشید کے عہد میں ہندوستان کے فلسفی اور طبیب بھی بغداد پہنچے۔ ان تعلقات کی وجہ سے نئے نئے مباحث پیدا ہوئے اور عربوں کی طبیعتیں نئے نئے سانچوں میں ڈھلنے لگیں۔

مجوسیوں نے منصور عباسی کے عہد میں اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی تھی۔ راوندیہ جو حلول اور رجعت کے بڑے پرجوش مبلغ تھے۔ اسی زمانے میں پیدا ہوئے۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ منصور کے جسم میں خدا کی روح اور اس کے وزیر عثمان بن نابلیک کے قالب میں جبریل کی روح حلول کر گئی ہے۔ بعد کے زمانے میں اس قسم کے عقائد کبھی تو تشیعیت کی راہ سے آئے۔ کبھی تصوّف کے لباس میں ظاہر ہوئے اور کبھی انہوں نے ادّعائے اُلوہیت اور رسالت کی صورت میں نمودار ہو کر فساد پیدا کر دیا۔ عبیداللہ مہدی اور حسن بن صباح کی اسمٰعیلی دعوت نے تشیعیت کو مجوسی عقائد کی تبلیغ کا واسطہ قرار دیا۔ حسین بن منصور حلاج نے، جس کے خیالات پر ہندوؤں کے فلسفے کا بھی گہرا اثر پڑا تھا، تصوّف کے پردے میں وحدتِ وجود اور حلول وغیرہ عقائد کی تبلیغ کی۔ اور بابک خرمی اور مقنّع خراسانی وغیرہ نے ادعائے الوہیت اور رسالت کا عَلَم بلند کر کے حکومت کے خلاف علانیہ بغاوت کر دی۔ معتصم کے مشہور سپہ سالار افشین کی بغاوت سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان سب لوگوں کا مقصد ایک تھا۔ یعنی عربوں کی حکومت کے بجائے عجمی حکومت کا قیام! اگرچہ یہ تحریکیں اسلامی حکومت کو پوری طرح مٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکیں۔ لیکن مسلمانوں کی سیاسی قوّت کو ضعیف کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے معتقدات پر انہوں نے گہرا اثر ڈالا۔ اور مجوسی افکار اسلامی عقائد کے جسم میں پیوست ہو گئے۔ عباسیوں کے عہد کے بعد اکثر فتنے بالکل مٹ گئے۔ تاتاریوں کے فتنے نے جہاں عباسیوں کی شمع گُل کر دی۔ وہاں باطنیوں کا زور بھی توڑ ڈالا۔ لیکن یہ غیر اسلامی عقائد تصوّف کے ذریعے سے برابر نئے نئے قالبوں میں ڈھلتے اور اہلِ خانقاہ کے توسط سے عام مسلمانوں میں پھیلتے رہے۔

ہمارے صوفیا میں ایک تو اربابِ حق کا وہ گروہ ہے جس کا مقصد محض تبلیغ دین تھا۔ علماء نے ہمیشہ لوگوں کو خدا کے قہر وغضب سے ڈرایا اور صوفیوں نے ہمیشہ اس کے جمالِ رحمت اور رأفت

کو بے نقاب کر کے لوگوں کے دلوں میں محبتِ الٰہی کا بیج بونے کی سعی کی۔ لیکن اس کے علاوہ مدعیانِ تصوّف کی ایک دوسری جماعت بھی تھی جو اسلام کو دوسرے مذہب کے عقائد سے تطبیق دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ متصوّفین کے اس گروہ کی کوشش نے اِن غیر اسلامی معتقدات کو نئی شکلوں میں نمودار کر دیا۔ یعنی وحدت وجود کے ساتھ ساتھ وحدتِ شہود کا تصوّر پیدا ہوا۔ اور حلول نے ظلّ و بروز کی صورت اختیار کر لی۔ زادنذیہ منصور کے متعلق کہتے تھے کہ اس کے قالب میں خدا کی روح حلول کر گئی ہے۔ بعد میں بادشاہ کو ظلّ اللہ کہا جانے لگا۔ اور اولیاء کو انبیاء کا ظلّ و بروز۔ پھر جس طرح خدا کے تمام اوصاف بادشاہوں سے منسوب ہونے لگے اسی طرح اولیاء میں نبوّت و رسالت کی تمام خصوصیات پیدا کر لی گئیں۔

یہ حالت کئی سو سال تک رہی۔ آخر سولھویں اور سترھویں صدی کا وہ زمانہ آیا جب کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت میں زوال رونما ہو چکا تھا، اور اقوامِ فرنگ مشرقی ممالک میں آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھیں وہابی تحریک جو دین کے باب میں اپنے تشدّد اور غلو کے اعتبار سے خوارج کی تحریک سے یک گونہ مشابہت رکھتی ہے۔ اسی زمانے میں عالمِ وجود میں آئی۔ وہ عجمی اثرات کے خلاف عربوں کی سادگی کی ایک پُر زور بغاوت تھی۔ جس سے کم و بیش سارا عالمِ اسلام متأثر ہوا۔ لیکن اس عہد میں سلالہ عثمانی اور دودمانِ بابری کی روحِ عظمت مِٹ چکی تھی۔ ڈیڑھ سو سال کے اندر اندر اِدھر اکبر اور جہانگیر کا گھر بے چراغ ہو گیا اور اُدھر سلطنتِ عثمانیہ کا تاجدار دولِ فرنگ کے ہاتھوں میں محض ایک کٹھ پتلی بن کر رہ گیا۔

نئی تحریک کا نشو و ظہور اسلامی حکومت کے زوال اور اقوامِ فرنگ کے اِس غلبہ و استیلا کا لازمی نتیجہ تھا۔ ایران میں جو مجوسیّت کا گہوارہ تھا مزدکی اور مانوی عقائد پھر ابھرنے لگے اور وہابیت کے پیکر میں نمودار ہوئے۔ ہندوستان میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید نے خالص اسلامی حکومت قائم کرنے کے ارادے سے عَلَمِ جہاد بلند کیا۔ اگرچہ انہیں اس مقصد میں ناکامی ہوئی۔ تاہم مسلمانوں پر ان کی تحریک کا نہایت خوشگوار اثر پڑا۔ اور ان کے متبعین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی۔ جو برابر غیر اسلامی حکومت اور غیر اسلامی عقائد کے خلاف بغاوت کرتی رہی۔ اس زمانے میں دہلی کے تخت پر ایک برائے نام فرماں روا موجود تھا۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی اسلامی حکومت کا یہ آخری نشان بھی مِٹ گیا۔

یہ زمانہ مسلمانوں کے جذبات کی شورش اور اضطراب کا ایک ہیجانی دَور تھا۔ دہلی کی حکومت

برائے نام سہی بہرحال وہ مسلمانوں کی ہشت صد سالہ حکومت کی یادگار تھی۔ اس کا مٹنا آلِ بابر کی عظمت و سطوت کا مٹنا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو اس برائے نام حکومت کے چھن جانے کا سخت صدمہ تھا اور وہ اپنے دلوں میں انگریزوں کے خلاف ایک عمیق جذبۂ نفرت محسوس کر رہے تھے۔ انگریزوں نے ان کے جسم مسخر کر لئے لیکن وہ ابھی تک ان کی روح کو مغلوب نہ کر سکے۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان بے بس اور مجبور تھے۔ اور انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کر دینا ان کے لئے تقریباً ناممکن تھا لیکن انہوں نے اپنی دلی نفرت کے اظہار میں کبھی تامل نہیں کیا۔ یعنی اس زمانے میں جب ہندو انگریزی تعلیم حاصل کر کے سرکاری عہدوں پر قبضہ کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے مقاطعہ اور عدم تعاون کی راہ اختیار کی اور انگریزی زبان اور انگریزوں کی ملازمتوں سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اپنے جذبات کے اظہار کا اس سے زیادہ موزوں کوئی طریقہ نہ تھا۔ سیّد احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید کے پیرو جو عام طور پر وہابی کے نام سے مشہور تھے۔ اس طریقہ پر قناعت کرنا نہیں چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے شمالی و مغربی سرحد اور بنگال میں شورش برپا کر دی۔ اگرچہ یہ شورش ایسی خطرناک نہیں تھی کہ انگریزوں کے حاکمانہ اقتدار کو کوئی شدید نقصان پہنچا سکتی۔ لیکن اس سے ملک کے عام اضطراب میں اضافہ ہو گیا۔ اور انگریزی حکومت کے لغت میں لفظ "وہابی" خوفناک باغی اور مذہبی دیوانے کا مرادف سمجھا جانے لگا۔

اس قسم کے یاس انگیز موقعوں پر لوگ خود اپنی طبیعت کی تسکین کا کوئی سامان پیدا کر لیا کرتے ہیں۔ جس طرح عیسائیوں کو قسطنطنیہ کی فتح کے موقع پر یہ یقین نہیں آتا تھا۔ کہ بازنطینی حکومت اس آسانی سے مٹ جائے گی اور سلطان محمد فاتح کے داخلے کے وقت بھی وہ پادریوں کی اس روایت میں تسکین کا سامان تلاش کر رہے تھے کہ جب مسلمانوں کی فتح مکمل ہو جائے گی تو دفعتہً سینٹ صوفیہ کی دیوار شق ہو گی۔ ایک فرشتہ ہاتھ میں شمشیر برہنہ لے کر نکلے گا اور سارے مسلمانوں کو قتل کر دے گا۔ اسی طرح اُس زمانے میں مسلمانوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ ان کی حکومت اس آسانی سے مٹ سکتی ہے۔ ان میں یہ خیال عام تھا کہ قیامت قریب آ گئی۔ عنقریب دجّال کا لشکر ساری کائناتِ ارضی پر پھیل جائے گا۔ پھر مہدی کا ظہور ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔ اور دجّال کو قتل کر کے از سرِ نو اسلامی سلطنت قائم کر دیں گے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو انگریزی ملوکیت کے خدّ و خال میں دجال کے چہرے کی مشابہت تلاش کر رہے تھے۔

ظہور مہدی کے مسئلہ نے وہابیوں میں بھی دو گروہ پیدا کر دیئے تھے۔ ایک جماعت سید احمد بریلوی کو مہدی سمجھتی تھی۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ وہ زندہ ہیں اور پھر کبھی ظہور کریں گے۔ دوسرا گروہ: ایک نئے مہدی کا انتظار کر رہا تھا۔ افغانستان اور شمالی ہند میں فارسی کے بعض قصیدے جنھیں شاہ نعمت اللہ ولی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اور جن میں مہدی کے ظہور کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ گھر گھر پھیلے ہوئے تھے۔ یہ خیال بھی عام تھا کہ تیرھویں صدی کے خاتمے پر مجدد کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اور مولوی عبدالحیٔ نے تجدیدِ دین کے مسئلے اور اس کی ضرورت و اہمیت کو لوگوں کے ذہن نشین کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ ان دونوں بزرگوں کے مابین اس زمانے میں جو مباحث ہوتے رہے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی مجدد ہونے کے مدعی تھے۔

افغانستان اور روس کے حالات نے بھی مسلمانوں کے اس انتظار و اضطراب میں معتد بہ اضافہ کر دیا اس زمانے میں روس نے آہستہ آہستہ مشرق کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا تھا۔ اور سینٹ پیٹرز برگ[1] اور لندن کے سیاسی حلقوں میں یہ خیال عام تھا۔ کہ زارِ روس ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے صرف موقع کا منتظر ہے۔ دفعۃً خبر آئی کہ روس نے تاشقند۔ مرو اور خیوا پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو دریا کے جیحون تک پھیلا دیا ہے۔ انگریز پہلے ہی مسلمانوں سے بدظن تھے۔ اس واقعہ نے انہیں زیادہ بدگمان کر دیا۔ جہاد کا مسئلہ ان کے لئے سب سے زیادہ تشویش و فکر کا باعث بنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ظہور مہدی کے مسئلے کی سیاسی حیثیت بھی ان کے پیشِ نظر تھی۔ سوڈان میں وہ ایک مہدی کی فوق العادت قوت کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ اور ابھی تک وہ اپنے وسیع ذرائع و وسائل کے باوجود مہدی سوڈانی علیہ رحمتہ اور ان کے درویشوں کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ کلکتے کے ایوانِ حکومت میں ہندوستان کا برطانوی نائب السلطنت اور اس کے مشیر سخت اضطراب کے عالم میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ ایک مہدی نے ہندوکش کی بلندیوں سے اتر کر جہاد کا پرچم بلند کر دیا تو ہم کیا کریں گے؟ روس یقیناً اس موقع سے فائدہ اٹھائے گا۔ افغانستان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ باقی رہے ہندوستان کے مسلمان تو جہاد کے نعرۂ عام کے بعد شاید وہ بھی بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر یہ چار الفاظ تھے۔ مہدی۔ جہاد۔ روس، اور امیرِ کابل! اور ہندوستان کے نائب السلطنت کی زبان بھی انہیں الفاظ کے اعادہ و تکرار کے لئے وقف ہو چکی تھی۔

---

[1] سینٹ پیٹرز برگ اس زمانے میں روس کا دارالسلطنت تھا۔

اسی زمانے میں ڈاکٹر ہنٹر نے اپنا مشہور رسالہ "انڈین مسلمانز" لکھا جس میں انہوں نے سلطنت اور امارت کے باب میں مسلمانوں کے معتقدات بیان کرکے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ اسے مسلمانوں کی جانب سے کبھی مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ قوم مذہباً اس امر پر مجبور ہے کہ کسی غیر مسلم فرماں روا کی اطاعت قبول نہ کرے۔ سر سید احمد خان نے اس کے ردّ میں "اسباب بغاوت ہند" کے نام سے ایک رسالہ لکھا سر سید پہلے ہی مسلمانوں کے لئے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ وہ محکومی کی موجودہ حالت پر قناعت کرکے اپنی اندرونی اصلاح اور تعلیم کے مسئلے پر اپنی تمام توجہات صرف کر دیں۔ "انڈین مسلمانز" کے بعد ان کے خیالات زیادہ پختہ ہو گئے۔ اور وہ انگریزوں اور مسلمانوں کے مابین بہتر تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ ساتھ ہی انہوں نے اسلام کو علوم جدیدہ کے مطابق کرنے کی سعی کی۔ مسئلہ جہاد کی تاویل کی۔ ظہور مہدی کے مسئلہ کا سختی سے انکار کیا۔ اور اشاعتِ تعلیم کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ لیکن سر سیّد مرحوم کا مقصود نہ تو یہ تھا کہ انگریزوں کے اقتدار کو کوئی فائدہ پہنچایا جائے۔ نہ وہ اپنے لئے کوئی دنیوی عزت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ انہوں نے انگریزوں کے تعاون کی راہ محض اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لئے اختیار کی تھی۔ وہ سالہا سال تک حکومت کے ملازم رہنے کے باوجود اپنے قلب میں حکومت کی اطاعت کا ایسا ذوق پیدا نہیں کر سکے تھے کہ اس کے سامنے کوئی سچ بات کہنے میں جھجک محسوس کر سکیں۔ "اسباب بغاوتِ ہند" میں انہوں نے جس جرأت اور بے خوفی سے حکومت کے حال پر نکتہ چینی کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دل پر حکومت کی وفاداری کا نقش زیادہ گہرا نہیں تھا۔ انگریزوں کے نقطۂ نگاہ سے سر سیّد احمد خان جیسا شخص چنداں مفید نہیں تھا۔ انہیں ایسے شخص کی ضرورت تھی جو مذہب کے حربے سے لوگوں کے دلوں پر ان کی وفاداری اور اطاعت منقوش کر دے۔ دنیوی فرماں رواؤں نے مذہب کو ہمیشہ اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ انگریز اپنے ملک میں مذہب کو ایک کارآمد سیاسی حربے کی حیثیت سے استعمال کر چکے تھے۔ کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کے باشندوں کے دلوں پر مذہب کی گرفت مضبوط رہی ہے۔ یہی حربہ استعمال نہ کیا جائے۔ اگر افریقہ میں ایک جہاد کی دعوت دینے والا مہدی سوڈانی ہو سکتا ہے۔ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں حکومت کی وفاداری کا وعظ کرنے والا مہدی پیدا کر دیا جائے۔

غرض مرزا غلام احمد قادیانی نے جب اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ تو اس کی نشو و نما کے لئے بے حد مساعد حالات اور سازگار فضا مہیّا ہو چکی تھی۔ ابتداء میں وہ ایک اسلامی مبلغ[1] کی حیثیت سے روشناس خلق ہوئے۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو چودھویں صدی کا مجدّد کہنا شروع کیا اور اس دعوے کے لئے انہیں کوئی تردّد نہ کرنا پڑا۔ کیونکہ لوگوں کے کان تجدیدِ دین کے دعوے سے پہلے ہی آشنا ہو چکے تھے اور خود اس زمانے میں ایک سے زیادہ مدعیانِ تجدید موجود تھے۔ ہاں ان لوگوں کو الہام کا دعویٰ نہ تھا۔ میرزا صاحب نے الہام کا دعویٰ بھی کیا۔ اور اس خیال سے کہ یہ دعوائے الہام لوگوں کو برہم نہ کرتا اور وہ کہیں بے قابو نہ ہو جائیں۔ انہوں نے اپنے اس اِدّعا کو آریہ سماجیوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں اسلام کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ یہ تدبیر بہت کارگر ثابت ہوئی۔ اکثر مسلمان علماء یہ سمجھ کر خاموش رہے کہ میرزا غلام احمد کے اِدّعائے الہام سے انکار کرنا گویا اپنے کو اسلام کی صداقت کی ایک عمدہ دلیل سے محروم کر دینا ہو گا۔ اب میرزا صاحب نے آگے قدم بڑھایا۔ یعنی مہدویت کا دعویٰ کر دیا۔ اور ظہور مہدی کے متعلق جو محلِ نظر روائتیں احادیث میں موجود ہیں ان سے استناد کرنے لگے۔ اس دعوے کا ثبوت فراہم کرنے میں انہیں بہت سی ضعیف اور ناقابلِ اعتماد حدیثوں سے مدد ملی جو مجوسیوں نے اپنے غلبہ و استیلاء کے زمانے میں وضع کر لی تھیں۔ اور جن کا مفہوم یہ تھا کہ مہدی عجمی النسل ہو گا۔

خراسان سے مہدی کا ظہور، مہدی کا ابنائے فارس میں سے ہونا، مہدی کا حضرت سلمان رضؓ فارسی کی نسل میں سے ہونا۔ اسی قسم کی حدیثیں ہیں۔ میرزا صاحب مغل تو تھے ہی۔ انہوں نے فوراً اپنا سلسلۂ نسب سلمان فارسی رضؓ سے ملا دیا۔

مسلمان عیسائیوں کے غلبے کو دجّال کے خروج کی نشانی سمجھتے تھے۔ بلکہ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ

---

[1] راقم الحروف کے نزدیک میرزا صاحب کا ذوقِ تبلیغ بھی سیاسی مصالح کی پیداوار ہے۔ انگریزی حکومت کے استحکام کے لئے یہ ضروری تھا کہ مختلف مذاہب کے لوگوں کو آپس میں لڑایا جائے۔ اور میرزا غلام احمد اور سوامی دیانند نے یہ خدمت جس خوش اسلوبی سے انجام دی ہے اس کی تفصیل غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ (حسرت)

دجّال سے انگریز مُراد ہیں۔ میرزا صاحب نے اس عام خیال سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں کو دجّال کہنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے "مسیحیت" کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو ظلّی و بروزی نبی کہنے لگے اور فنا فی الرسول کے صوفیانہ عقیدے کا جوڑ ظلّ و بروز سے ملا دیا۔ اور جب وہ اچھی خاصی جماعت فراہم کر چکے تو ظلّی نبی کی بجائے اپنے لئے "نبی" کی اصطلاح آزادانہ استعمال کرنے لگے۔

یہ عجیب بات ہے کہ میرزا صاحب کے حلقۂ ارادت میں سب سے پہلے وہی لوگ شامل ہوئے جو فرنگی دشمنی کے باعث ہندوستان بھر میں مشہور تھے۔ یعنی وہابی جماعت کے لوگ جوق در جوق ان کے مریدوں میں شامل ہونے لگے۔ مہدویت اور مسیحیت کا دعویٰ کرنے سے پہلے خود میرزا صاحب اپنے عام عقائد کے اعتبار سے وہابی تھے۔ لیکن ان کی وہابیت پر تصوّف کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا ان کے افکار میں کہیں کہیں وحدتِ وجود کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ اور وہ خدا کے تجسّم و تشبّہ کے بھی قائل معلوم ہوتے ہیں۔

خدا کا یعقوبؑ سے کشتی کرنا، اور حضرت ابراہیمؑ کا خدا کو مرے کے بلوطوں میں دیکھنا یہود کے عام معتقدات میں سے ہے۔ میرزا صاحب کا عقیدہ بھی توحید و تنزیہہ کے اسلامی عقیدہ کے بجائے یہود کے اس عقیدۂ تجسّم سے ملتا جلتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مرتبہ خدا کو تیندوے کی صورت اور دوسری جگہ ہاتھی دانت کی شکل میں پایا اس کے علاوہ انہوں نے اُسے بیداری کی حالت میں کاغذات پر دستخط کرتے بھی دیکھا۔ چنانچہ سب قدرت کی روشنائی سے میرزا صاحب کے کپڑے غدار ہو گئے۔

میرزا غلام احمد کے عقائد پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جتنے باطل تصوّرات پیدا ہوئے وہ سب اپنی ایک ترقی یافتہ صورت میں میرزا صاحب کے ہاں موجود ہیں۔ ان میں ذہانت کا ظاہر تو ہے لیکن اس کے باطن یعنی ذوقِ جہاد سے سروکار نہیں۔ وہ سرے سے جہاد بالسیف کے منکر ہیں۔ اور انگریزی حکومت کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں۔ وہ صوفی بھی ہیں۔ لیکن ان میں نہ تو صوفیوں کی سی فراخ دلی اور وسعتِ نظر ہے نہ بے نیازی اور قناعت، وہ اپنے منکروں کو کافر کہتے ہیں اور اپنے مخالفوں کو بے دریغ گالیاں دیتے ہیں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ انہوں نے تصوّف کے صرف عقائد کو قبول کر لیا۔ جو مجوسی عقائد کی صدائے بازگشت معلوم ہوتے ہیں۔ اور جنہیں اسلامی

تصوّف سے کوئی تعلق نہیں ۔ یعنی ظل و بروز، تشبیہ و تجسم اور وحدتِ وجود ۔ ان پر بابی تحریک کا بھی کافی اثر پڑا ۔ چنانچہ چند مسائل کو مستثنیٰ کر دیجئے تو ان کے اور محمد علی باب کے دعوے میں کوئی فرق نہیں رہتا ۔ وفاتِ مسیح کا عقیدہ جس پر ان کے دعوے کی عمارت اُستوار ہے ۔ انہوں نے سر سیّد احمد خان سے لیا ہے ۔ اسلامی عقائد کی نئی تعبیر و تفسیر اور علوم جدیدہ سے ان کی تطبیق کے باب میں بھی وہ سر سیّد کے متبع ہیں ۔ لیکن ان کی تحریک میں جو چیز سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ تنسیخ جہاد اور انگریزوں کی خلافتِ الٰہیہ کے مسائل ہیں ۔ ان کی کتابوں میں کوئی دوسرا مسئلہ ایسا نہیں جس کا ذکر انہوں نے اس جوش و خروش کے ساتھ بار بار کیا ہو ۔ ان کے خیالات میں تضاد و تباین بے حد ہے ۔ وہ خود اپنے دعاوی کے متعلق ایسی متضاد باتیں کہتے ہیں کہ پڑھنے والا پریشان ہو جاتا ہے ۔ لیکن تنسیخ جہاد اور حکومت انگریزی کی اطاعت کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہر قسم کے ابہام و تضاد سے پاک ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل کو اصل کی حیثیت حاصل ہے ۔ اور دوسرے تمام مسائل حتّٰی کہ ان کا دعوائے مہدویّت بھی فرع کی حیثیت رکھتا ہے ۔

بقیہ از صفحہ ۱۶

خدا کی خوشنودی کے اہم عنصر کو نظر انداز کر دیا ہے ۔ یعنی مخلوق خدا کی خدمت کا کوئی اہم کام سرانجام نہیں دیا جاتا ۔

روزے کی نماز کی طرح دوگونہ غایت ہے ۔ تعلق باللہ بڑھ جانا اور مخلوق میں مساوات کا پیدا کرنا ۔ انسانوں میں عدم مساوات کے حق میں عقل فتویٰ نہیں دیتی لیکن گمراہ دِل دوسروں پر مجلسی اور اقتصادی فوقیت چاہتا ہے ۔ نماز اور روزے ان انانیتوں اور بے جا سرکشیوں کو دل سے نکال پھینکتے ہیں ۔ دلِ عقل کو پھر گمراہ نہیں کرتا ۔ اللہ کا تعلق طبیعت میں انکسار پیدا کرتا ہے ۔ یہ بات کثرتِ عبادت سے حاصل ہو جاتی ہے لیکن احتیاطاً ساتھ روزے کی ریاضت بھی شامل کر دی تاکہ بھوک کا دُکھ نظر سے اوجھل نہ ہو اور بھوک کی ماری مخلوق کے حال سے انسان بیگانہ نہ ہو ۔

ے جدید تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے کہ بابی تحریک روس کے سیاسی مصالح کی پیدا دار تھی ۔ (حسرت)

رُوداد سفر برطانیہ

سید عطاء المحسن بخاری

اِک ذرا سفید کافرستان تک

ہڈرس فیلڈ

پہاڑی علاقہ ہے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر شہر بسایا گیا ہے یہ ایک چھوٹا ٹاؤن ہے اکثریت سفید کافروں کی ہے مسلمان دوسرے درجہ کی اکثریت میں ہیں۔ ہندو بہت کم اور سکھ تیسرے درجہ کی اقلیت ہیں۔ یہ کے بھی چوتھی اقلیت ہیں۔ میرا قیام ہڈرس فیلڈ کے اس علاقے میں تھا جہاں مسلمانوں نے سب سے پہلی مسجد بنائی۔ ۳۲ ایرہ جارج سٹریٹ تاریخی اعتبار سے یہ علاقہ ان فوجیوں کی قدیم عمارتوں پر مشتمل ہے جو پچھلی صدی میں ہندوستان پر راج کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے اب اس علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہے اور اکثر عمارتیں مسلمانوں کی ملکیت ہیں مسجد سٹریٹ میں میرے میزبان فضل الٰہی صاحب رہتے ہیں ان کا گھر اور مسجد آمنے سامنے ہیں ۱۹۸۷ء میں تو انہوں نے کمال مہربانی سے اپنے مکان کا ایک کمرہ ہمارے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ راقم سید خالد مسعود گیلانی اور عبداللطیف چیمہ صاحب یہیں رہتے گویا یہ کمرہ "یو کے ختم نبوت مشن کا دفتر تھا۔ تمام ملاقاتیں اور پروگرام یہیں پایۂ تکمیل کو پہنچتے۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے اسی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ مگر میں نے مسجد کے حجرہ کو ترجیح دی۔ اور میری تمام کاوشوں کا مرکز مسلمانوں کی یہی قدیم مسجد رہی مسجد کے منتظمین حاجی محمد صادق صاحب حاجی محمد صدیق صاحب، حاجی امانت علی اور ان کے فرزند مولانا محمد ظفر صاحب میرے ساتھ انتہائی مہربان رہے ان کا حسن سلوک اور مروت' نہ بھولنے والا رویہ میرے قیام کی حسین یادگار ہے۔ حاجی محمد صادق صاحب کا "جنرل نالج" ماحول کو متاثر کرتے، ان کی شخصیت کا امیج بلند کرتے اور حلقۂ احباب میں اضافہ کا موجب بنتا حاجی صاحب قرآن کریم، اقبالیات اور نفیس خلیلی کے معاملہ میں سند مانے جاتے ہیں۔ لیکن زمانے کی کج ادائیوں اپنوں کی کرم فرمائیوں اور عقرب صفت انسانوں سے بہت نالاں ہیں ہماری سماجی زندگی کی کراہتوں اور شخصی ایذا رسانیوں سے اکثر کبیدہ خاطر رہتے ہیں مردم گزیدہ ہیں اور اب تو سایۂ دیوار دیکھ کر بھی رک جاتے ہیں کہ کہیں یہ سایہ اپنی ظلمتوں میں لپیٹ لے اور تاریکیوں میں گم ہونے والے پھر روشنی کو کبھی قریب سے دیکھ بھی نہیں پاتے اور برطانوی اندھیروں کی زد سے بچنا ناممکن تو نہیں مگر دشوار تر ہے۔ برطانیہ میں مسلمانوں کے تعلیمی مسائل سماجی مسائل ہوں یا قانونی پریشانیاں حاجی صاحب مسلمانوں

کے لئے مضبوط سہارا ہیں۔

۱۹۸۰ء میں جب میں نے کیمبرج یونیورسٹی ہال میں مرزائیوں کا جلسہ درہم برہم کیا تھا تو حاجی صاحب میرے وفد کے قائد تھے حاجی صاحب انگریزی بے تکان بولتے ہیں آپ نے مرزائیوں سے گفتگو ہی میں انہیں لاجواب کیا۔ مرزائیوں کا سب سے پہلا شکار بھی یہی ٹاؤن ہے۔ مجلسِ احرار کے شعبۂ تبلیغ کے سابق صدر مبلغ حضرت مولانا لال حسین اختر صاحب بھی پہلے پہل اسی ہڈرس فیلڈ میں تشریف لے گئے تھے۔ لیکن کچھ مفاد پرستوں نے انہیں وہاں سے نکال دیا۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ جن لوگوں سے مولانا کو ایذاء پہنچی تھی وہی لوگ اللہ نے میرے لئے معاون بنا دیئے۔

میرے اس سفر کا ذریعہ عزیزی سردار محمد صاحب بہت ہی خوبصورت جذبوں کے مالک ہیں۔ کھلے دل اور کھلے ہاتھ کی خوبیاں بھی اللہ نے انہیں عطا کی ہیں ان کے برادرِ نسبتی محمد اصغر صاحب بھی بہت اچھے اور بہادرانہ جذبوں کے امین ہیں۔ سیلانی صاحب تو بہت ہی خوب آدمی ہیں شروع سے مزدوری کرتے چلے آرہے ہیں اور اپنے مٹی کے دیے کو مغرب کے قمقموں کے عوض بجھانے کو تیار نہیں اچھا شعری ذوق رکھتے ہیں۔ ان کا گھر محفل شعر و سخن کا چھوٹا سا مرکز بن جاتا ہے۔ جب سیلانی صاحب کی طبع رواں کہیں ٹھہر جاتی ہے تو بسیل الفاظ واشعار رواں ہو جاتا ہے مومن خان مومن، امیر مینائی اقبال، احمد ندیم قاسمی، فیض اور خصوصاً ایسے شعراء جو " انجمن ستائش باہمی" کی سفاک سرد مہری کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ان کا درد و سوز سے بھرپور کلام سیلانی صاحب کی بیاض کی زینت ہے۔ مجلسِ سیلانی کے شرکاء انہیں سن کر تڑپ تڑپ جاتے ہیں سیلانی صاحب ہر ویک اینڈ پر بزم سجا لیتے ہیں۔ اور یوں برطانوی کفرستان کی گندگیوں اور آلودگیوں سے دل و نگاہ اور دامن بچا لیتے ہیں۔ اس خوبصورت حلقہ احباب کو یکجا کرنے میں ہمارے عزیز سید خالد مسعود گیلانی صاحب مرکزی کردار کے حامل ہیں آپ اپر جارج سٹریٹ مسجد کے من موہنے امام خطیب اور مدرس ہیں چھوٹے سے قد بُت میں خالد مسعود ایک متحرک ادارہ ہیں۔ مسجد کی تمام ذمہ داریوں کو حسن و خوبی سرانجام دے کر ماحول سے مربوط رہتے ہیں اور تمام مجلسی زندگی کی روحِ رواں ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ آپ لسانیاتی کالج میں انگریزی کے طالب علم ہیں اور کمپیوٹر کلاس میں داخلہ لے رکھا ہے۔ خالد مسعود بہت دلچسپ ساتھی ہیں اپنے مہمان کی تمام حسین ضرورتوں کا اس قدر دھیان رکھتے ہیں کہ وہ محسوس ہی نہیں کرتا کہ گھر میں ہے یا سفر میں،

دوستوں سے تعارف، گھمانا، پھرانا، خوراک، رہائش، آرام غرض ایک ایک بات گویا ان کے ذمہ ہے۔

خالد مسعود دُھن کے پکے اور کام کے دھنی ہیں ان کی کاوش و محنت سے ہڈرسفیلڈ ہی میں احرار کانفرنس کا اہتمام ہوا لنک روڈ پر ایک گرجے کا خوب صورت ہال کرائے پر لیا گیا علاقہ بھر کے علماء کو دعوت دی گئی جمعیت العلماء برطانیہ کے جنرل سیکرٹری مولانا عبدالرشید ربانی بھی کانفرنس میں شریک ہوئے علماء نے بیان بھی کیا۔ اتحاد بین المسلمین، ردِّ مرزائیت اور احرار کی خدمات جلیلہ کانفرنس میں شریک علماء کے موضوعات تھے۔ اتنا بھرپور جلسہ ہڈرسفیلڈ کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا جس میں ہر طائفہ کے لوگ محبت، ذوق شوق سے شریک ہوئے ہوں۔ ہڈرسفیلڈ ایسی جگہ واقع ہے کہ اس کے چاروں طرف چھوٹے بڑے شہر ہیں۔ جہاں سے مسلمانوں کا وہاں پہنچنا بہت آسان ہے۔ بریڈ فورڈ، ہیلیفیکس، ڈان کاسٹر، مانچسٹر وغیرہ سے دوست معقول تعداد میں تشریف لائے۔ سید خالد مسعود گیلانی کے دستِ راست حاجی محمد رفیق صاحب نے اس سلسلہ میں اسی طرح کام کیا جس طرح احرار ورکرز کام کرتے ہیں تعاون کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں بھائی محمد رفیق صاحب نے بھرپور کردار ادا نہ کیا ہو حاجی محمد رفیق صاحب علامہ خالد محمود صاحب کے شاگرد ہیں۔ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے اور عقائد کی پختگی میں منفرد آدمی ہیں بدعمل اور بے عمل مسلمانوں کو راست کرنے، ان سے گفتگو اور افہام و تفہیم میں علامہ صاحب سے سیکھے ہوئے گر آزماتے رہتے ہیں اور بیسیوں گمراہ لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مجلس احرارِ اسلام کا لٹریچر پہنچا ہوا ہے وہاں وہاں پہنچایا جہاں راقم پہنچ ہی نہیں سکتا۔ سید خالد مسعود اور حاجی محمد رفیق میرے اور احرار کے محسن ہیں۔ قارئین کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ کوئی سرمایہ دار آدمی ہیں ہرگز نہیں۔ حاجی صاحب مزدور ہیں لیکن ذمہ دار ہیں وہ دین کا کام کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ایک روز میں نے کہا حاجی صاحب! آپ دن بھر مزدوری کرتے ہیں اور رات ہمارے پاس آکر اپنا وقت ضائع کرتے ہیں تو کہنے لگے میں اپنا وقت تقسیم کرتا ہوں، دن کو اپنے اور بچوں کے لئے روزی کماتا ہوں کچھ وقت آپ سے سوالات کے ذریعہ دین کی باتیں سمجھتا ہوں گھر جاکر بچوں کو پڑھاتا ہوں۔ میں وقت ضائع کرنے کا قائل ہی نہیں میں تو ڈیوٹی پر ہوں۔ اے کاش تمام مسلمان یہ یقین کرلیں کہ وہ چند ڈیوٹیاں لے کر پیدا ہوئے ہیں۔ اے کاش وہ اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔

قمر الحسنین

گولڈن جوبلی

پچاس برس پہلے منٹو پارک (اقبال پارک) میں ایک مضبوط آدمی کھڑا تھا اور اس کے گرد جمع ہونے والے گو خود مضبوط لوگ نہیں تھے مگر اپنے قائد کی استقامت کی وجہ سے ان میں بھی دقتی استقلال پیدا ہو چکا تھا اور بانیٔ پاکستان کی بلند ہمتی و یک جہتی نے اپنے ماحول میں سمٹ آنے والوں کو جہت اور سمت کی اکائی میں سمو لیا تھا گویا یہ تمام مختلف جہت لوگ فردِ واحد میں گم تھے۔ بلکہ فردِ واحد میں ضم ہو چکے تھے اور ان سب کی کمزور آوازوں نے اس ایک طاقت ور آواز میں مدغم ہو کر ایک وطن ایک ارضِ حسین پاکستان کا نعرۂ رستاخیز بلند کیا اور اس کے حاصل کرنے میں یوں کامیاب ہوئے کہ تاریخ عالم میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ مگر اب وہاں کنکریٹ اور لوہے کا بے جان بے روح مینار ہے جو خود ایک حقیقت نہیں۔ ایک جاندار حقیقت کی بے جان یادگار ہے تماشہ گاہ ہے، کھیلوں کا میدان ہے سیرگاہ ہے یا آوارگانِ کوئے ملامت کی حرص و آز کی تکمیل کا ڈیرا ہے۔ جس نے اِن پانچ برسوں میں آوارگانِ کوئے سیاست کے لئے اپنا دامن پھیلا دیا ہے اور موچی دروازہ کی تاریخی روایتوں کو چیلنج کر دیا ہے۔

۲۰ مارچ کو پیپلز پارٹی کی ریلی گولڈن جوبلی کا پارٹ فسٹ تھی۔ مینار پاکستان کے گرد جمہوریت زادوں کا جم غفیر تھا اس حقیقت کا مظہر کہ پچاس برس بعد تاریخ بدل گئی آدمی بدل گئے، مزاج بدل گیا اور نعرہ بھی بدل گیا ہے۔ پہلے اکائی تھی، یگانگت تھی۔ یک جہتی تھی، خیال کا حسن اور عمل کا بانکپن تھا اور اب تفرقہ و انتشار تھا، انتقام تھا، الزام و دشنام، تہمتیں اور لعنتیں تھیں پہلے مقصد تعمیر و تشکیل تھا، اور اب مقصد طاقت کا مظاہرہ ہے اور طاقت کے عناصر شرافت، حسنِ سلوک اور خدمتِ انسان نہیں بلکہ ہڑبونگ، ہلڑبازی، غل غپاڑہ اور تذلیلِ انسان ہے جس کی تکمیل کے لئے برسرِ اقتدار لوگوں نے اپنے تمام وسائل داؤ پر لگا دیئے نفرتوں کی آگ بھڑکانے کے لئے پنجاب اور سندھ کے جاگیرداروں نے قومی خزانے کا بے دریغ استعمال کیا اور دوسری کلاس کے لوگوں نے اپنی وفاداریوں کا صلہ سرمائے

کی بندر بانٹ کی صورت میں حاصل کیا ، پنجاب کا شیعہ جاگیردار اپنے عجمی گروہ کے مفادات کے لئے بڑی پلاننگ کے ساتھ بے نظیر کے جلوس میں یوں آگے بڑھتا آرہا ہے گویا وہ اپنی منزل کی جانب بڑھ رہا ہے شیعہ بیوروکریٹ اس آپا دھاپی میں عجمی سازش کے خفیہ کارندوں کو اعلیٰ اور اہم اسامیوں پر یوں فائز کر رہا ہے ۔ جیسے سرحد پار سے اسے ہدایات مل چکی ہیں ۔ برسر اقتدار طبقہ کے اہل السنت والجماعت آنکھوں پر پٹی باندھے کانوں میں تیل ڈالے بے نظیر کے گرد یوں جمع ہیں جیسے شیر کا گھارا کھانے کے لئے گیدڑ آس لگائے گھنی گھاس کی اوٹ میں چھپا رہتا ہے ۔ سنی بیوروکریٹ اپنے مفروضہ لبرل ازم کی بھینٹ چڑھ چکا ہے اور پیپلز پارٹی نے گولڈن جوبلی یوں منائی اور اعزازات و انعامات کچھ اس طرح تقسیم کئے کہ مجھ کو ہر سانس پہ نشتر کا گمان ہونے لگا اور ہر نشتر زنبورِ عجم لگا ، اور یوں محسوس ہوا کہ عجم نے جنگِ قادسیہ میں اپنی شکست کا بدلہ لینے کی پاکستان میں ٹھان لی ہے ۔

۲۳ مارچ کو قائد اعظم کے وارثوں کے پارٹ ٹو نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور شہر دفاع سے دور فتشقہ کھینچے دھونی رما نے میں کامیاب ہو گئے ۔ بسیں ویگنیں ، ٹرک اور جو سواری بھی ان کے اجتماع میں دو پایوں کو لاد کر لے جانے میں مددگار ثابت ہو سکتی تھی روک لی گئی ، بچے عورتیں ، بوڑھے ، بیمار لوگ جو سفر کی صعوبتوں کا عذاب پہلے ہی سہنے کے قائل نہ تھے انہیں گاڑیوں سے پولیس والوں نے یوں اتار پھینکا جیسے یورپ والے اپنا پرانا لباس اتار کر پاکستان کے لنڈے میں پھینک دیتے ہیں اور اس پر مسلم لیگی عوام اور پیپلز پارٹی کے جیالے یوں جھپٹے ہیں جیسے ماس پر چیل ، شہر میں چلنے والی سوزوکیوں اور ٹرالوں کی عید ہو گئی اور انہوں نے اپنا جمہوری حق استعمال کرتے ہوئے حقِ جمہوریت ادا کر دیا ۔ دس گنا اور بعض جگہ بیس گنا کرایہ لوگوں سے وصول کر کے انہیں منزلِ مقصود کے اس پار اتار دیا ۔ چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں پر لوگوں کے پرے جمے ہوئے تھے لمبی لمبی قطاریں تھیں جیسے لوگ ووٹ ڈالنے کے لئے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہوں جن لوگوں کو جمہوریت کا درس دینے والے خود کروڑوں میں بکتے ہیں ۔ انہوں نے روٹی دو روپے میں بیچی اور دال کی پلیٹ ۱۰ روپے میں ، یہ وہ قوم ہے جس کے بارے میں جمہوریت پسند علماء یہ کہتے نہیں تھکتے کہ ہم اسلام کی جنگ لڑ رہے ہیں ۔ اور ایسے عوام کے ووٹوں کی طاقت سے اسلام لائیں گے ۔ جو لوگ اپنے جیسے انسانوں کو مشکلات میں پھنسا دیکھ کر ان کی مدد ، خدمت اور ان کی ضروریات مہیا کرنے کی بجائے ان کی کھال اتار کر اپنی تجوری

بھرنے کے ہندوانہ اور یہودیانہ رویّوں سے سرشار ہوں ۔ خوفِ خدا اور انسانی جذبوں اور رویوں سے محروم ہوں ان سے کس خیر کی توقع کی جا سکتی ہے ؟ لوگوں نے اپنی اس پریشانی اور کس مپرسی کی حالت کو دیکھ کر کہا کہ جب ہم پاکستان آئے تھے ہمارے قافلے یوں ہی ذلتوں کے گڑھوں سے نکل کر آئے تھے ۔ تب ہم نے سکھوں اور کانگریسیوں کو کوسا اور گالیاں دی تھیں ۔ ۲۳ مارچ کو ہم نے سنا جی ان گنہ گار کانوں نے سنا کہ عوام نے جی ہاں عوام نے حکمرانوں کی رعایا اور سیاسی نٹ کھٹوں کے دوٹروں نے انہیں وہ وہ بے نقط سنائیں کہ الامان والحفیظ! پیپلز پارٹی نے جتنی گالیاں ضیاء الحقؒ کو دیں اور مسلم لیگ نے جتنی گالیاں انکا بر اصرار کو بکیں دونوں نے پچاس برس پہلے کی بوئی ہوئی فصل گولڈن جوبلی کو کاٹی ۔ نفرتوں ، لعنتوں کا وہ طوفانِ الفاظ اگر مجسم ہو کر بہہ نکلے تو یہ دونوں پارٹیاں اپنے دو پایوں کی فوجِ ظفر موج کا بند باندھ کر بھی اسے نہ روک سکیں ۔ اگر اس جنگِ زرداری کا نام سیاست ہے اور اس طوفانِ بدتمیزی کا نام جمہوریت ہے تو دونوں پارٹیوں کے بزرجمہر بتائیں کہ اس سے قوم اور ملک کو کیا ملا ؟ جاگیرداروں اور صنعت کاروں میں سے کوئی ایک اگر یہ جنگ جیت بھی جائے تو بھی قوم اور ملک کے حصے میں کیا آئے گا ؟

ایران ، ہندوستان ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہے ہیں افغانستان اور کشمیر میں مجاہدین کمیونزم اور ہندوازم کی نارِ نمرود میں بے خطر کود گئے ہیں ، اندرونِ ملک بدامنی و بے یقینی ہے استبدادی قوتوں کی پنجہ آزمائی میں مبتلا حکمران اندرون و بیرون ملک کیا کر سکیں گے ؟ یہی کہ "گولڈن جوبلی" منا سکیں گے ——— واہ انڈر ۱۹ سرکار ! اور آہ ملت کے مقدر کے ستارے ... !

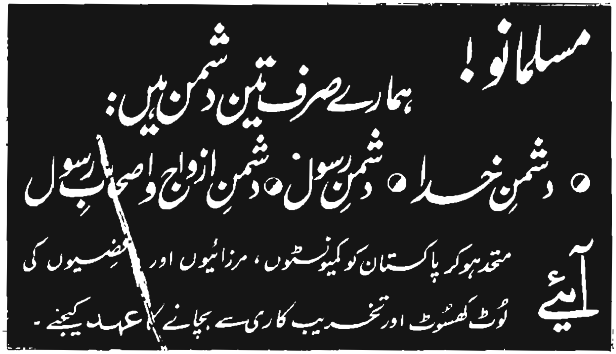

"ماخوذ"

"غدّاروں کا ترانہ"

ہم قوم کے دُہرے رہبر ہیں
غدّار بھی ہیں سردار بھی ہیں

ہم ملک کے دُہرے لیڈر ہیں
زرگیر بھی ہیں، زردار بھی ہیں

ہم جال میں اُڑتے پنچھی کا
لاسا بھی بہت ہے، گوند بھی ہے

دُہری ہے کمائی دُہری بچت
دُہرا ہے بدن بھی، توند بھی ہے

ہم دُہرے کنبہ دار بھی ہیں

ہم قوم کے دُہرے رہبر ہیں
غدّار بھی ہیں سردار بھی ہیں

پُوجا ہے بتوں کو خلوت میں
مشہور لُٹیرے دیں داروں میں

اللہ کو ہم نے بیچا ہے
ہر قیمت پر بازاروں میں

ہم مالکِ کاروبار بھی ہیں

ہم قوم کے دُہرے رہبر ہیں
غدّار بھی ہیں سردار بھی ہیں

انگریز سے ہم نے گانٹھی ہے
اور روس سے گاڑھی چھنتی ہے

اسلام سے ہی ناواقف ہیں
ہر دین سے وَرنہ بنتی ہے

ہر ازم کے خِدمت گار بھی ہیں

ہم قوم کے دُہرے رہبر ہیں
غدّار بھی ہیں، سردار بھی ہیں

گوروں کی پرستش فخر رہا
کالوں سے بھی پیسے اینٹھ لئے

سرمایہ سے سازش کرتے رہے
کچھ کپڑے لتے اینٹھ لئے

دلّال بھی ہیں، بٹ مار بھی ہیں

ہم قوم کے ڈہرے رہبر ہیں — غدّار بھی ہیں، سردار بھی ہیں
ہنگامِ الیکشن ڈیوڑھی پر — نغمہ بھی اُڑا، حلوہ بھی اُڑا رہا
کھانا بھی ہوا، گانا بھی ہوا — دیگیں بھی چڑھیں، زردہ بھی رہا

ہم ایسی سمنی سرکار بھی ہیں

ہم قوم کے دہرے رہبر ہیں — غدّار بھی ہیں، سَردار بھی ہیں
عربوں سے لڑے، ترکوں سے لڑے — غیروں کو بہت ممنون کیا
ہم نیل کو احمر کرتے رہے — دجلہ کے جگر کو خون کیا

خونبار بھی ہیں خونخوار بھی ہیں
ہم قوم کے ڈہرے رہبر ہیں
غدّار بھی ہیں، سردار بھی ہیں

نرخنامہ اشتہارات

نقیب ختم نبوت

ٹائیٹل کا آخری صفحہ سالم =/۱۰۰۰ روپے
ٹائیٹل دوسرا اور تیسرا صفحہ =/۸۰۰ روپے
عام صفحہ (سالم) =/۳۰۰ روپے
" " (۱/۲) =/۱۵۰ روپے
" " (۱/۴) =/۷۵ روپے

مستقل معاونین کے لئے
خصوصی رعایت ہوگی

چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

روزہ اور اس کے تقاضے!

رمضان میں ایک مزے کے دو مزے ملتے ہیں۔ سحر خیزی کے باعث نمازِ تہجد کا سرور بھی اور روزے کی وجہ سے نفس کی شورش سے سکون بھی۔ طبیعت میں ایک خوشگوار سی یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس یکسوئی میں نفس کی پہچان بڑھتی ہے۔

بعض اصطلاحات زبان زدِ عام تو ہوتی ہیں مگر عوام سے ان کا مفہوم پوشیدہ ہوتا ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔

ہر جاہل کی زبان پر ہے لیکن جس کا کوئی حلیہ نہیں، اس کی کیا پہچان ہے نہ نفس کی شکل معین نہ نفوس کے پروردگار کی کوئی مورت اور صورت۔ روزہ اور نماز جب جمع ہو جائیں تو روح کو اک راحت ملتی ہے۔ عقل کے سوچے بغیر دل خدا کی ذات کو سمجھنے لگتا ہے انسان میں خودی مٹ جاتی ہے۔ غرور خاک میں مل جاتا ہے۔ اس کی ساری خدائی میں وہ اپنے آپ ہی کو حقیر پاتا ہے۔ نماز کی عبادت اور روزے کی ریاضت اس کو نظامِ کائنات میں اس کی اصلی جگہ بتاتے ہیں۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میں کس باغ کی مولی ہوں اور میری کیا بساط ہے۔ اس غیر متناہی نظام میں کوئی شاہ ہوا تو کیا۔ گدا ہوا تو کیا۔ خضر کی عمر پائی تو کیا۔ کلی کی طرح ایک دفعہ مسکرا کر مٹی [illegible]ئے تو کیا۔ زندگی میں اک موت سی طاری ہوتی ہے۔ مگر یہ موت اور مایوسی کا ایک لمحہ حیاتِ جاوداں سے بہتر ہوتا ہے۔ اس کے بعد سچی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ طبیعت دنیا کی بے ثباتی کو دل سے قبول کرتی ہے۔ اور اپنی بے بسی پر آگاہ ہوتی ہے۔ حق الیقین کے ساتھ انسان جان لیتا ہے کہ

نیک ارادہ اور خدمت خلق ہی میرا اشرف ہے باقی دنیا ہیچ د کار دنیا ہیچ ۔

یاد رکھو۔ اللہ کے عبادت گذار مخلوق کے خدمتگذار ہونے چاہئیں۔ اس سے جلدی روح پر رنگ برسنے لگتا ہے اور کارخانہ کائنات ایک لیلا نظر آتی ہے منے بچے کے تبسم اور پھول کی شگفتگی میں وہی وہ نظر آتا ہے ہر طرف دوست ہی دوست نظر آتے ہیں ۔ دشمن ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔

جس نے تاروں کی چھاؤں میں اُٹھ کر نماز تہجد پڑھی ۔ صبح صادق ہونے سے پہلے سحری کھائی اور دن بھر برُے خیالات سے دل و دماغ کو پاک رکھا اس پر آہستہ آہستہ ایک محویت اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔ بعض بدنصیب رمضان کے بعد فوراً اللے تللے میں مصروف ہو جاتے ہیں ۔ قسمت والے رمضان کی کیفیت کو سال بھر جاری رکھتے ہیں اور اچانک زندگی میں موت کا مزا پاتے ہیں ۔ یہ موت غلط آرزوؤں کی موت ہوتی ہے ۔

علمی طور پر تو روزہ کے فوائد جسمانی ہیں مگر جسم کمزور ہونے سے روح کی طاقت بڑھتی ہے ۔ آئینۂ دل غبار سے صاف ہو کر جگمگا اٹھتا ہے ۔ جان مضمحل سی ہوتی ہے ۔ گناہ کی جسارت چھین لی جاتی ہے ۔ جسم میں جتنا فتور ہے سب دانۂ گندم کا قصور ہے ۔ اس کی زیادتی ابن آدم کو جنت سے لڑھکا دیتی ہے ۔ خوراک کی کمی نفس کی شورشوں کو کم کرتی ہے ۔ کم خوابی ۔ کم خوری ۔ کم گوئی انسان کو پرنور سیمابی فضاؤں اور تاروں کی ضیاؤں میں لے جاتی ہے ۔ کس قوم نے اللہ کا حکم مان کر رات کو دن بنا دیا ۔ رمضان کے مہینے میں مسلمانوں کی ہر بستی رات کا آخری حصہ جاگتی ہے ۔ طبیعتوں میں نیا انقلاب اور نئی زندگی کا ظہور ہوتا ہے ۔ ریاضت اور عبادت کے اس مہینے میں سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے لیکن مسلمانوں نے اپنی غفلت سے

بقیہ ص ۱۶ ر

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

"جُمعة الوداع"

ہم نے کوئی تواضع نہ کی آج تک سونے والو! یہ رمضان جانے کو ہے
شوقِ دیدار تھا جس کا شعبان میں اُس کا یومِ جُدائی اب آنے کو ہے"۔

فرمانِ خداوندی ہے :

"اے ایمان والو! جب جمعہ کی نماز کیلئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور ہر قسم کا کاروبار بند کر دو۔ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔"

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جمعہ کے دن میں ایسی گھڑی ہے کہ اُس میں کوئی مسلمان جو کچھ بھلائی مانگے اللہ تعالیٰ اُسے عطا کرتے ہیں۔"

جمعہ کے دن غسل کرنا، خوشبو لگانا، اچھے کپڑے پہننا، جمعہ کی نماز کی تیاری کرنا، ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جانثاروں کا طریقہ رہا ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ! اپنے محبوب کے نقشِ پا کی تلاش، محبت کرنیوالوں کا شیوہ رہا ہے۔

"جمعۃ الوداع" دو لفظوں سے مرکب ہے، جمعہ اور وداع۔ ماہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو جمعۃ الوداع کہتے ہیں کہ یہ جمعہ ماہِ صیام سے جُدائی کا پیغام دیتا ہے۔ اُس ماہِ مقدس سے جُدائی کا پیغام جس میں زندگی کو قرینہ ملا۔ انسانیت کے لئے بخشش کا زینہ نظر آیا۔ یہ مہینہ حق کی عنایات کا مہینہ ہے۔ فیوض اور برکات کا مہینہ ہے۔ اسی ماہِ مبارک میں ہدایت کا دھارا اُبلا، صداقت کا تارا چمکا۔ افسوس! وہ ماہ مبارک جو سعادت کا نشان بن کے آیا تھا، جس کی جُدائی میں اہلِ دل سال بھر اشک فشاں رہے جس کی آمد پر سے خانۂ رحمتِ ساقی کے دروازے کھل گئے تھے، روزہ دار نورِ خدا سے اپنی تمناؤں کی جھولیاں بھر رہے تھے۔ اذانِ سحر سے روحِ مسلماں مسرور ہوئی جاتی تھی۔ نیک کاموں

کے جذبے کی کشش لوگوں کو کشاں کشاں مساجد کی طرف لئے چلی آ رہی تھی۔ عبادت گاہیں پُر رونق تھیں۔ قرآن مجید کی تلاوت اور ذکرِ اللہ کی حلاوت کے زمزمے جاری و ساری تھے۔ آج وہ ماہِ مبارک ہم سے جُدا ہو رہا ہے جس کی آمد پر ملتِ بیضا جاگ اُٹھی تھی۔ سوئے ہوؤں کو خدا کی رحمت کے سہارے مل گئے تھے۔ قرآن کے عامل اور ایمان کے حامل شب بیداری سے حیاتِ نو پا رہے تھے۔ حکمِ خُدا اور منشائے رسالت کے مطابق، اہلِ عقل و دانش، دولتِ عقبیٰ لُوٹ رہے تھے۔ جن کی رُوح میں ہر گھڑی حکمِ خدا اور عزم و وفا موجزن تھا۔ آج اُس ماہِ مبارک کا یومِ فراق ہے۔ اب وہ ابرِ کرم رُخ بدل رہا ہے جس سے آٹھوں پہر رحمت برستی تھی۔ افسوس اگر اب پھر وہ تاریکی اور دورِ خوابیدہ واپس آ رہا ہے جس سے یہ رب سے ملاقات کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

اے ماہِ رمضان! مسلمانوں کے مہمان! الوداع! کہ تیرے سینے میں اک شبِ پُر بہار تھی جس سے فردِ گناہ ڈھل رہی تھی۔ تیرے دامن میں نصیحتیں، برکتیں اور راحتیں بھری ہوئی تھیں۔ جب تُو ایک برس کے بعد آئے گا، تو کیا خبر! ہم میں سے کتنوں کو نہ پائے گا۔

افسوس! عید تم سے علیحدگی کا پیغام لے کر آئی ہے۔ یہ مناجات، خدا سے ملاقات کے دِن تسبیح و تہلیل کی راتیں ہاتھ سے نکلی جا رہی ہیں۔ تذکرِ حق اور تفکرِ قرآن کے دِن لُٹے جا رہے ہیں۔ اک تقریبِ گھر بار اور جشنِ شریعت تھا۔ اہلِ یقین کی جبینیں، جلووں سے منوّر تھیں۔ رب کے ہاتھوں سے انعام لینے کا وقت تھا۔ ابرِ رحمت برس رہا تھا۔ ہر طرف فضلِ رحمان کی بارش ہو رہی تھی کہ یکا یک جُدائی کا پیغام آ گیا

چھا گئی افسوس! پھر شامِ فراق	آ گیا گردوں سے پیغامِ فراق
عید لے کر آئی ہے جامِ فراق	کِس طرح کاٹیں گے ایامِ فراق

الوداع! اے ماہِ رمضان الوداع!

مومنوں کے دِین و ایماں! الوداع!

ماضی کے جھروکوں سے
محترم محمد حسن چغتائی

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

تین صد ۳۰۰ اچھوتوں نے بیک وقت اُنکے ہاتھ پر اسلام قبول کیا

لدھیانہ کے مشہور علمی ادبی خاندان کی خصوصیات میں دو کارنامے ایسے ہیں کہ پورے برصغیر میں اُن کا کوئی ثانی نہیں۔ انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ، اور مرزا قادیانی کی تکفیر دارتداد پر مہر کا اثبات۔

اس خاندان میں بیسویں صدی کے اوّل نصف میں مولانا حبیب الرحمٰن رحؒ کا نام نامی و اسم گرامی اہم خصوصیات کا حامل ہے۔ وہ ایک حق گو، بہادر، اور زیرک عالم دین تھے۔ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز تحریکِ خلافت سے کیا پھر جمعیۃ العلماء ہند کی برپا کردہ تحریکوں میں شامل رہے۔ اور بالآخر ۱۹۲۹ء میں مجلسِ احرارِ اسلام ہند کی بنیاد پڑنے پر اُس کے بانی اور فعال رہنماؤں میں شامل تھے۔ اور ۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۵ء تک مجلسِ احرارِ اسلام کی مرکزی صدارت کے عہدہ پر متمکن رہے۔ متعدد بار جیل یاترا کی —— اور آخری بار مجلسِ احرارِ اسلام کی فوجی بھرتی کی مخالفانہ تحریک میں ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۵ء تک فرنگی حکمرانوں اور سرداں خان بہادروں کے غصّہ کا شکار ہو کر پابندِ جیل رہے۔ یہاں تک ظلم روا رکھا گیا کہ باوجود پیرانہ سالی کے سردیوں میں دھرم سالہ جیل اور گرمیوں میں منٹگمری جیل میں ڈالدیا گیا اور وہ سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے کرتے کئی امراض کا شکار ہو گئے۔

آپ کی فراست کا ایک واقعہ پچھلے دنوں میں نے ایک مجلس میں بیان کیا تو اس کے شرکاء میں سے صاحب الرائے اصحاب کا تقاضا ہوا کہ اسے شائع ہونا چاہیئے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفیض ہو سکیں۔

برصغیر کی تاریخِ آزادی میں مہاتما گاندھی کا نام انڈین نیشنل کانگریس کے سربراہ کی حیثیت سے

کسی سے پوشیدہ نہیں وہ بظاہر ہندوستان میں بسنے والی تمام قوموں سے ہمدردی رکھنے کی صلاحیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ جبکہ دراصل اُنہیں اپنی ہندو جاتی کی فوقیت کا خبط تھا۔ ہندوستان میں صدیوں سے اچھوت قوموں کا وجود چلا آتا تھا۔ جن سے عام ہندو اور بالخصوص برہمن جانوروں سے بدتر سلوک کرتے چلے آرہے تھے۔ سن ۱۹۳۰ء کے بعد ہندوستان کے انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہونے کی منزل قریب آتی ہوئی دکھائی دی تو گاندھی جی کے دل میں معاً اچھوتوں سے ہمدردی کا جذبہ چٹکیاں لینے لگا۔ اور ہندوؤں کو اُن سے برادرانہ سلوک کا درس دینے لگے۔ جس سے اُن کا مقصد محض یہ تھا کہ ہندو جاتی کے ووٹوں میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو جائے۔ جبکہ عیسائی پادری، آریہ سماجی پنڈت اور سکھوں کے گرو اچھوتوں کو اپنے اپنے مذہب کی دعوت دینے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر میں تھے۔ اسی طرح سے بعض مسلمان علماء نے بھی اس مقصد کے تابع کئی ایک تنظیمیں بنا رکھی تھیں۔ جن میں "تبلیغ اسلام انبالہ" کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جبکہ امیرِ شریعتؒ اور اُن کے جگر دار ساتھیوں کی تقاریر اور عملی اقدامات سے متاثر ہوکر بعض اچھوتوں کے قبولِ اسلام کے واقعات بھی پیش آتے رہے ـــــ اس سلسلہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے جس میں تین صد اچھوت افراد کا بیک وقت قبولِ اسلام کا کارنامہ انجام پایا۔

مولانا موصوف اپنے جماعتی پروگرام کے سلسلہ میں اسٹیشن جالندھر سے گزر رہے تھے۔ ٹرین کے رُکنے پر کسی ضرورت کے لئے پلیٹ فارم پر اُترے۔ تو جالندھر کی اچھوت آبادی کے ایک نواحی چک میں عیسائی۔ مسلم۔ سکھ اور آریہ سماجی مبلّغین کے اُسی روز کے ایک تبلیغی اجتماع کا اشتہار اُن کی نظر پڑا۔ جس پر آپ نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا۔ اور اس چک کی جانب فی الفور روانہ ہو گئے۔ اس اجتماع کا پس منظر یہ تھا کہ اس چک کے اچھوتوں میں سے دو تین نوجوان کچھ لکھ پڑھ گئے تھے۔ جبکہ ان دِنوں مختلف مذاہب کے مبلّغین اس چک میں آ جا رہے تھے۔ ان تعلیم یافتہ نوجوان نے سب مبلّغین اور مشنریوں سے یہ کہا کہ ہم کسی نہ کسی مذہب کو قبول کر کے انسانوں جیسی زندگی بسر کرنے کے ضرور خواہش مند ہیں۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ سبھی مذاہب کے مبلّغین بیک وقت اپنے اپنے مذاہب کے خصائص اور اعتقادات سے ہمیں آگاہ کریں تاکہ ہم موازنہ کر کے کسی مذہب کو قبول کر لیں۔ اس تحریک پر اجتماع کا انتظام ہوا تھا۔

مولانا جب چک میں پہنچے تو جلسہ جاری تھا۔ اور ایک عیسائی مشنری اس وقت بیان کر رہا تھا مسلمانوں

کی طرف سے سٹیج پر مولانا محمد بخش مسلم مرحوم اور اُن کے دو تین ساتھی موجود تھے۔ اسی طرح سے ہندو۔ سکھ، عیسائی مبلغین اور مشنری بھی اسٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جو لوگ مولانا کو جانتے تھے۔ وہ مولانا کو دیکھ کر اُنکی طرف بھاگے اور اسٹیج پر لانا چاہا۔ لیکن مولانا نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ: "میں تو اپنے اُن بھائیوں کے پاس بیٹھوں گا۔ جو اس اجتماع کے منتظم ھیں"۔ یہ کہہ کر اچھوتوں کے مجمع پر نگاہ دوڑائی۔ پھر جہاں غلیظ ترین اور شکل و صورت کے قبیح ترین اشخاص کو بیٹھے دیکھا۔ اُن کے درمیان جاکر بیٹھنے لگے۔ تو وہ بیچارے اپنے آپ کو گھٹیا مخلوق سمجھتے تھے۔ اِدھر اُدھر سمٹنے لگے۔ لیکن مولانا نے سب کو پکڑ پکڑ کر اپنے اِرد گرد اس طرح بٹھا دیا کہ وہ مولانا سے چمٹے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ تھوڑی دیر میں نشست ختم ہوئی تو مولانا کی مسلمان علماء کرام اور دیگر مذاہب کے مشنریوں سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اب دوسرے اجلاس میں جو تھوڑی دیر میں منعقد ہوگا صرف مسلمان مبلغین کی تقاریر ہوں گی۔ جبکہ باقی سب مذاہب کے مشنری پہلے اجلاس میں اپنے اپنے مذاہب کی خصوصیات بیان کر چکے ھیں۔ مولانا محمد بخش مسلم مرحوم نے از خود ہی مولانا کو فرمایا کہ سب سے پہلے آپ کا خطاب ہوگا۔ چنانچہ دوسرے اجلاس کی رسمی کارروائی کے بعد مولانا کا خطاب شروع ہوا۔ مولانا نے مختصر خطبہ پڑھنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا کے حالات پر کچھ روشنی ڈالی اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور کا نقشہ کھینچنا شروع کیا۔ معاً تقریر کے دَوران فرمایا کہ مجھے پیاس لگی ہے جس پر مسلم پانی۔ ہندو پانی۔ عیسائی پانی والے سبھی دوڑنے لگے۔ کہ پانی لاکر مولانا کو پلائیں۔ لیکن مولانا نے ان سب کو روک دیا۔ اور کہا کہ بھائی میں جن لوگوں کا مہمان ہوں اُن کے ہاں سے پانی پیؤں گا۔ لیکن اچھوت لوگ تو سہمے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کون پانی پلائے۔ اس دَوران میں مولانا نے مجمع میں بیٹھے ہوئے ایک غلیظ ترین کالے کلوٹے شخص کی طرف اشارہ کرکے اُسے اپنے پاس بُلایا۔ اور اُن کے دُور رکھے ہوئے ایک میلے کچیلے سے مٹکے کیطرف نگاہ کرکے اس کو کہا کہ بھائی مجھے اپنے ہاں سے پانی لاکر پلاؤ ——— اس نے وہاں جاکر ایک میلی کچیلی مٹی کی ٹھوٹی میں پانی لیا ——— اور اس انداز سے سٹیج کی طرف بڑھا کہ اُس کے پاؤں بلکہ پُورا جسم کانپ رہا تھا۔ اور کانپتے ہاتھوں سے ٹھوٹی مولانا کی طرف بڑھا دی۔ مولانا نے اسکی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ: "بھائی میں نے تمہیں زحمت دی ہے کافی دُور سے پانی لائے ہو۔ گرمی کا وقت ہے تمہیں بھی پیاس لگ رہی ہوگی۔ تھوڑا سا پانی خود پی لو"۔ یہ سُن کر وہ اس قدر کانپا ——— قریب تھا کہ

ٹھوٹی اس کے ہاتھ سے گر پڑے۔ کہنے لگا : "مہاراج میرا جھوٹا آپ کس طرح پیئیں گے ۔" مولانا نے فرمایا : "بھائی تم میری طرح انسان ہو، کوئی خوف نہ کرو" بہرحال ڈرتے ڈرتے اس نے ایک گھونٹ پانی پی لیا۔ تو مولانا نے اس کے ہاتھ سے ٹھوٹی لے لی۔ اور اس کو اسٹیج پر موجودہ عیسائی، آریہ سماجی، سکھ مشنریوں کو باری باری پیش کرکے کہا کہ : "بھائی آپ کو بھی پیاس لگ رہی ہوگی، تھوڑا تھوڑا پی لیں، تو باقی میں پی لوں گا۔" جس پر سب نے معذوری کا اظہار قریباً ایک ہی جیسے ملتے جلتے الفاظ میں اس طرح کیا کہ : " اس میں تو جراثیم ہوں گے۔ یہ تو جھوٹا ہے۔ برتن بہت خراب ہے۔ ایک ملیچھ کا اس کو ہاتھ لگ گیا ہے۔ ہم تو بیمار ہو جائیں گے۔ ہمارا دھرم بھرشٹ ہو جائے گا وغیرہ ۔" ـــــ جب سب کی طرف سے ٹکا سا جواب ملا، تو مولانا نے خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ایک گھونٹ پی لیا اور الحمدللہ کہا ـــــ اور پھر باقی پانی مولانا محمد بخش مُسلم مرحوم کی طرف بڑھا دیا اور انہوں نے بھی جب پی لیا، تو مولانا مرحوم نے انسانیت کے مقام اور اسلامی مساوات کی تصویر کھینچتے ہوئے ارشادِ نبوی :

سُؤرُ الْاِنْسَانِ طَاهِرٌ وَسُؤْرُ الْمُؤْمِنِ شِفَاءٌ

(اِنسان کا جھوٹا پاک اور مؤمن کا جھوٹا شفا ہے۔) ـــــــــــ

کی سیر حاصل تشریح فرمائی ـــــ ابھی مولانا کی تقریر جاری تھی کہ وہ تین تعلیم یافتہ اچھوت نوجوان کھڑے ہو گئے۔ اور مولانا سے بادب مخاطب ہو کر عرض کیا کہ حضرت ہم نے سب مذاہب کے نمائندگان کی تقاریر سُن لی ہیں۔ اور اب ہمیں نتیجہ پر پہنچنے کے لئے اپنی میٹنگ کرنی ہے۔ اس لئے جلسہ فی الحال ملتوی کر دیا جائے ہم ایک گھنٹہ کے اندر اندر فیصلہ کر کے اعلان کریں گے۔ چنانچہ جلسہ ملتوی ہونے پر انہوں نے اپنی میٹنگ منعقد کی۔ اور تھوڑی دیر بعد ان تینوں نوجوانوں نے اپنے چند معمّر بزرگوں کے ہمراہ سٹیج پر نمودار ہو کر یہ اعلان کیا کہ " تمام مذاہب کے سکالرز کی تقاریر پر ہم نے غور کیا۔ اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی مُضمر ہے" ـــــ جس پر "اسلام زندہ باد" کے نعرے بلند ہوئے۔ علمائے کرام نے سب کو کلمہ کی تلقین فرمائی۔ اور اس طرح سے بیک وقت تین صد۳۰۰ افراد جس میں مرد عورتیں اور بچے شامل تھے مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔

حافظ مسعود احمد
مدرسہ امداد العلوم ، ملتان

کیا سوشلزم عین اسلام ہے ؟

اشتراکی کوچہ گردوں کے تعاقب میں

عہدِ موجود کے عالمِ آدمیت میں تین نظام موجود ہیں ۔ ایک اسلام جو الٰہُ العالمین کا بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لئے نازل کردہ ہے اور فطرت کے عین مطابق ہے ۔ دیگر دونوں نظام مخلوق کی ناقص عقل کی ایجاد ہیں ۔ ایک کیپٹل ازم کے نام سے موسوم اور دوسرا سوشلزم (اشتراکیت) کے عنوان سے معنون ہے ۔ چونکہ یہ دونوں نظام فطرت کے خلاف ہیں اس لئے اسلامی نظام کی ضد ہیں ۔ سوشلزم دراصل سرمایہ دارانہ نظام کا تتمہ و تکملہ بلکہ آخری ایڈیشن ہے ۔ پوری دنیا کا سرمایہ چند افراد اور چند ملکوں کے قبضہ میں لانے کا یہودی جال ہے ۔

ہمارے ہاں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ سوشلزم غریب کا حامی نظام ہے ۔ اور یہ روٹی ، کپڑے اور مکان کا ضامن ہے اور چونکہ سوشلزم تو عین اسلام ہے اس لئے "سوشلزم ہماری معیشت ہے" ۔ گویا سوشلزم کا تصور محض اقتصادی توازن و استحکام اور فلاحی معیشت کے حوالے سے قائم کیا جاتا ہے ۔ حالانکہ سوشلزم محض اقتصادی نظام کا نام نہیں بلکہ جملہ شعبہ ہائے حیات میں اسلامی تعلیمات کے خلاف ابلیسی ہدایات سے مرکب ایک بہت مفصل اور بہت گمبھیر سازشی منصوبہ ہے ۔

سوشلزم ایک نظریۂ حیات سے عبارت ہے : "جس کے مطابق ذرائع پیداوار پر عوام کی مشترکہ ملکیت ہونی چاہیئے ۔" (فیروز اللغات) اسی کو "اشتراکیت" کہتے ہیں جس کا دوسرا نام کمیونزم (COMMUNISM) ہے ۔ فلسفۂ اشتراکیت کا امامِ اول کارل مارکس ۔ (۱۸۱۸ء — ۱۸۸۳ء) یہودی تھا جس کا متعارف کرایا ہوا اشتراکی نظریہ یہ ہے کہ تاریخِ انسانیت کی تمام تر تحاریک ، انقلابات ، تغیرات (اسلام کے اولین اور مثالی عہد میں لڑے جانے والے) غزوات ، حادثات ، شورشیں اور بغاوتیں [illegible] معدہ کی غذا

میں عدمِ مساوات کا ردِّ عمل اور محض جذبۂ انتقام تھے۔

درحقیقت جب بعض اربابِ روحانیت پر خداطلبی اور خداشناسی کا غلبہ ہوا، غلبۂ حال میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کے وجود کی نفی میں "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ" یعنی وحدت الوجود کا نعرہ فلک بوس ہوا تو اس کے ردِّ عمل میں مادہ پرستوں نے مادہ کے علاوہ ہر شئے کی نفی میں "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا الْبَطْنُ وَالْمِعْدَۃُ" کی آواز لگائی یعنی دنیا میں حقیقی وجود پیٹ اور معدہ، طعام و شراب کا ہی ہے۔ یہی مرکزِ انسانیت اور محورِ حیات ہے۔ بعض روحانی صوفیا نے انسان کو ظلِ سبحانی تصور کرتے ہوئے غلبۂ حال میں "انا الحق" کی صدا لگائی تو مادہ و معدہ پرستوں (جو انسان کو حیوان سمجھتے ہیں) نے لب ہلائے "اَنَا الْحَیَوَانُ" "اَنَا الْحَیَوَانُ" یعنی میں تو جانور ہوں یعنی تو چوپایہ ہوں۔ اور اس پر فخر محسوس کرنے لگے۔ اس نظریہ کا مظہر اتم کارل مارکس اور اسکی ذرّیت تھے۔ ایسوں کی اولاد اب بھی موجود ہے۔

کیمونزم کی بنیاد یہ ہے کہ تمام انقلابات و تغیراتِ زمانہ میں کارفرما عوامل و محرکات ہمیشہ معاشی رہے ہیں اسے وہ (ECONOMIC FACTOR) کا نام دیتے ہیں گویا خدا تعالیٰ معطّل ہے۔ اس کا کوئی عمل دخل بلکہ اس کا وجود بھی نہیں (نعوذ باللہ) جبکہ اسلام اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ حوادثِ زمانہ اور تمدنی تغیر و تبدّل میں حقیقی عوامل (REAL FACTORS) ایمانیات، اصول و عقائد، اخلاق، قانون، معاشرتی قدریں اور تمدنی رویّے ہیں۔ معاشی فیکٹر تابع مہمل ہے۔

طرفہ تماشا یہ کہ مغربیوں اور فرنگیوں نے عیّاری اور فریب کاری سے کام لیتے ہوئے جس طرح سراپا لعنت مغربی جمہوریت کو "اسلامی جمہوریت" کا لباس پہنایا ایسے "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح گھڑ کے عوام خواص کو بیوقوف بنایا۔ وہ تمام "تہذیب نایافتہ" اسی "اسلامی جمہوریت" کے سایۂ عطوفت میں پروان چڑھے ہیں کہ جن کے فکر و نظر کی منتہا یہ ہے کہ "سوشلزم عین اسلام" ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظریۂ حیات سے سوشلزم کو دُور کا بھی سروکار نہیں۔ آخر آب و آتش، نور و ظلمت، اور حق و باطل کیسے یکجا اور جمع ہو سکتے ہیں۔ سوشلزم کی بنیاد خالصتاً مادہ و معدہ پر رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ کارل مارکس کا دستِ راست اور تلمیذِ رشید "اینگلس" کہتا ہے کہ:

Matter is the only real thing in the world.

"دنیا میں صرف مادّہ ہی ایک حقیقی شئے ہے۔" مطلب یہ کہ رُوح اور روحانیت، وجودِ الٰہی، دین و اخلاق

ایمان و اعمال، یہ سب غیر حقیقی اور فرضی اشیاء ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دینِ محمدیؐ کے فلسفۂ حیات کے قطعی مخالف ہے۔ ایسا نظام جو مادی اساس (Materialistic BASE) پر استوار ہو، بھلا اُس مستحکم نظام کا "عین" کیسے ہو سکتا ہے جس کا مبنیٰ (BASE) رُوحانیات (Spiritualism) ہوں۔ اسلامی نظام تو اُس خلاقِ اعظم کا وضع کردہ ہے، جس کے ہر "امر و فعل" میں لاکھوں حکم و مصالح مستور اور معارف و محاسن مضمر ہیں۔ جس نے اسلام کی بنیاد، معرفتِ الٰہی، خشیتِ الٰہی، فکرِ آخرت، قانون کی پاسداری، عزتِ انسان، وحدتِ فکر و عمل، حسنِ معاشرت، تقویٰ و طہارت، اخلاص و للّٰہیت، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ فاضلہ، دینی مواخات اور فطری مساوات پر رکھی۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آخرت ہی حقیقی اور پائیدار زندگی ہے۔ اسکی تکالیف اور انعامات دونوں دائمی ہیں۔ (گویا آخرت عبارت ہے حساب و کتاب سے اور جزا و سزا سے)۔ اسلام کی نگاہ میں (اور قرآن کی زبان میں) دُنیا محض دھوکہ کی پونجی (متاعِ غرور) ہے۔ کھیل تماشا ہے۔ بے حقیقت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "دنیا مُردار ہے اور اُس کے طلبگار کُتّے ہیں"۔ اس کے ساتھ ہی اسلام کا اعتدال دیکھئے کہ ترکِ دنیا (رھبانیت) کو حرام قرار دیا ہے۔ دراصل اسلام یہ نظریہ دیتا ہے کہ دنیا محض "ضرورت" ہے اور آخرت "مقصد" ہے۔ لُبّ لباب یہ کہ اسلام کی بنیاد محض مادّیات پر نہیں، جیسا کہ سوشلزم اور دیگر غیر فطری نظاموں کی کیفیت ہے بلکہ مادّیات اور رُوحانیات کی اس نازک فصیل پر ہے جو متوازن و معتدل اور "صراطِ مستقیم" ہے۔ اس کے برعکس کمیونزم، مادّی طریقِ فکر کا درجۂ غائیت ہے اور استغراق فی المادہ کی آخری سرحد ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اشتراکیت ایسا لاعلاج مرض ہے جسے "جوع البقر" یا "مرض الاستسقاء" کہنا عین مناسب ہے۔

دراصل سوشلزم اور دھریت میں کوئی فرق نہیں۔ اشتراکیت میں الٰہ العالمین کا تصور تک نہیں۔ سوشلزم مذہب کو "افیون" قرار دیتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ جس طرح ایک مہذب معاشرہ میں افیون کو اخلاق و کردار کے لئے سمِ قاتل سمجھا جاتا ہے، عین اسی طرح "مذہب" بھی (نعوذ باللہ) مادّی معاشرے کی فلاح کے لئے زہرِ ہلاہل سے کمتر نہیں بلکہ بُرائی کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دھریے اپنے راستے میں رکاوٹ بننے والوں کو "رجعت پسند" اور "بنیاد پرست" کی گالی دے کر تسکین پاتے ہیں اور ان کے استحصال و استیصال میں راحت محسوس کرتے ہیں۔ درحقیقت اشتراکی نظام میں یہ نظریہ کارفرما ہے کہ موجودہ دنیا عیش کوشی، جنس پرستی، عیاشی، فحاشی اور تمام غیر فطری امور انجام دینے کا مقام ہے اس لئے کمیونسٹوں

اور" ترقی پسندوں" کو ہر اُس آدمی کے انسان ہونے پر شُبہ گزرنے لگتا ہے کہ جس میں " جمالیاتی " ذوق و احساس (شہوت رانی) کا مادہ " بدرجہ اتم " موجود نہیں، یا موجود تو ہے مگر اسے استعمال کرنے میں حدود و قیود کا قائل ہے۔ (اور ظاہر ہے کہ ان حدود و قیود کی موجودگی اور ان کا پاس بھی کسی نہ کسی درجے میں حاکمیتِ ربُّ العالمین، وحی و الہام اور شرائعِ انبیاءؑ و رُسل سے ایک یقینی نسبت کا اظہار ہے)

اشتراکیت معاشرے کی اجتماعی حیثیت کی قائل تو ہے مگر انفرادی حیثیت کی منکر ہے جس کے لازمی نتیجے کے طور پر یہ مذموم رجحان عام ہوتا ہے کہ انفرادی اعمال، اقدار اور ذاتی کریکٹر کی کوئی اہمیت نہیں۔ جبکہ اسلام کی شانِ رشد و ہدایت یہ ہے کہ فرد، معاشرہ کی " اکائی " ہے۔ معاشرہ افراد کے اجتماع سے ہی تشکیل پاتا ہے۔ اگر معاشرہ کا ہر ہر فرد صالح، مخلص، متقی، دانا، باشعور، باصلاحیت، متحرک اور باکردار ہوگا تو معاشرہ بھی حیاتِ اجتماعی کے تمام محاسن کا آئینہ دار ہوگا۔ غرض افراد کے بغیر معاشرہ کالعدم ہے۔ اسی لئے " اسلام " معاشرہ اور فرد " دونوں کے فرائض اور حقوق کی تعیین کرتا ہے۔ اگر ایک انسان انفرادی لحاظ سے بدکردار ہے مگر اجتماعی فرائض ادا کرتا ہے تو وہ انسان اسلام کی نگاہ میں نامکمل ہے مگر سوشلزم میں " کامل انسان " ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونسٹ، انفرادی اخلاق و اقدار اور ذاتی کردار سے عاری ہوتے ہیں۔ نتیجۃً " اجتماعی فرائض کی ادائیگی سے محروم رہ جاتے ہیں۔

مرد و زن میں مساوات کا نعرہ بھی اشتراکی نظام کی شرارت اور خباثت ہے جو عورتوں کے حقوق کے نام پر اُن کے حقوق تلف کرنے، اُنکی معاشرتی عزّت و حرمت، مذہبی قدر و منزلت اور فطری عفت و عصمت سے کھیلنے اور ان کے تعمیری کردار کو مسخ کرنے کی گھناؤنی سازش ہے۔ جس کا مقصد انسانوں میں یہ نظریہ راسخ کرنا ہے کہ مذہب خواتین کے حقوق کی تعیین و حفاظت نہیں کرتا۔ اور یہ جو اس قسم کے نعرے تراشے جاتے ہیں کہ : " اسلام تنگ نظر ہے "۔ " اسلام جامد مذہب ہے "۔ " اسلام عورتوں کے حقوق کا پاسدار نہیں ہے " (وغیرہ وغیرہ) تو جان لینا چاہیئے کہ یہ اشتراکی سازش ہی کا حصہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کمیونزم اپنی عیّارانہ چال سے خواتین سے ان کے فرائض اور ذمہ داریوں سے بھی زیادہ کام لیتا ہے۔ اور انکے تمام معاشرتی حقوق پامال کرکے انہیں " حیوانِ محض " قرار دیتا ہے۔ جبکہ اسلام ہی وہ دین ہے جو خواتین کے فرائض کے ساتھ ساتھ ان کے حقوق کی بھی تعیین کرتا ہے (اور فرائض یا حقوق کے نام پر " ڈبل ڈیوٹی " کے ظلم و ستم کا بھی مخالف ہے) اسلام تو اس صنفِ نازک پر بے جا

اور حد سے زائد ذمہ داریاں نہیں ڈالتا ۔ یوں اشتراکیت کا یہ فلسفہ بھی عقلِ سلیم سے برد آزما ہے کہ خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کام کریں اور فیکٹریوں ، دفتروں اور زندگی کے دیگر شعبوں میں اپنا غیر فطری کردار ادا کریں ۔

جب اس نظام میں خدا کے وجود ، اسکی شریعت کا بھی انکار ہے تو مزید قبائح و شنائع ، معائب و خبائث بیان کرنا اشتراکیت کی تکریم ہی ہوگی لیکن افسوس ان نام نہاد مسلمانوں پر جو اپنے خبثِ باطن کے اظہار کے لئے نعرہ زن ھیں کہ " سوشلزم عین اسلام ہے " ——— اور پھر لفظوں کا اُلٹ پھیر...... کہ " اسلام ہمارا دین ہے ، سوشلزم ہماری معیشت ہے ۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے " ظاہر ہے کہ یہ خالص منافقت مجسّم فراڈ ، سفید جھوٹ اور یہود کی عیّارانہ تاویلِ پُرتزویر ہے ۔

یہاں پہ یہ بھی یاد رکھیں کہ اسلام کا اقتصادی نظام ، کیپٹل ازم (سرمایہ دارانہ نظام) کی بھی سختی سے نہ صرف تردید بلکہ مکمل طور پہ مذمت کرتا ہے ۔ نظامِ جمہوری صدارتی ہو یا پارلیمانی ، فسطائیت ہو یا شہنشاہیت ، سب لعنت زدہ سرمایہ دارانہ نظام کی مختلف شکلیں ھیں ۔ مولٰنا حفظ الرحمٰن سیوہاروی قدس سرہ فرماتے ھیں کہ " اسلام کے اقتصادی نظام کے مقابلہ میں فسطائیت (سرمایہ دارانہ نظام) کو پیش کرنا دراصل اقتصادی نظام کی توہین کرنا ہے ۔ " دوسری جگہ رقمطراز ھیں ۔ " اسلامی نظام کو فاشیت کے ہمنوا قرار دینا یا اُس سے قریب تر ثابت کرنا اسلام پہ بہت بڑا ظلم اور حد درجہ ناانصافی ہے ۔ "

اسلام دولت و اسبابِ دولت میں انفرادی ملکیت کا قائل ہے لیکن سوشلزم انفرادی ملکیت کا منکر ہے گویا اسلام کا نظامِ اقتصاد و معاش افراط (کیپٹل ازم) اور تفریط (سوشلزم ، کیمونزم) سے برتر و بہتر ہے ایک فطری اعتدال اور صراطِ مستقیم کا مظہر ہے ۔ اسلام اسکو تسلیم کرتا ہے کہ اسبابِ دولت سب کو برابر حاصل ہوں ، جدّ و جہد کی راہیں سب پر کھلی ہوں لیکن اس امر کا قائل نہیں کہ سب کو مساوی پھل بھی حاصل ہو جبکہ سوشلزم اسی غیر فطری نظریہ پہ اصرار کرتا ہے ۔

دراصل اسباب میں مساوات ضروری ہے مگر ثمرات میں مساوات عقلاً محال اور نقلاً ممتنع ہے ، کیونکہ ثمرات میں تساوی (سوشلزم کا نظریہ) سے محنت ، صلاحیتں ، عقل و خرد ، دماغ سوزی ، ذہانت و فطانت ، تجربہ و عمل کے سے اوصافِ تعمیر و ترقی ، مفلوج ہو کر رہ جاتے ھیں ۔ آخر جب سب کو برابر ملے تو مزدور ، محنت کش اور دیگر امورِ محنت سرانجام دینے والے ایسی محنت و مشقت کیوں گوارا کریں ۔ جب رشتۂ انتفاء عنقا ہو تو کون کسی کے سامنے جھکے گا کون کسی کا ہو ؟ اگر طلب و رسد ، ضرورت و تعاون اور احتیاج و ایثار

کا تعلق کافور ہو جائے تو پُورا معاشرہ آن واحد میں فساد کی نذر نہ ہو جائے ؟

یہی بھی سوشلزم کے تخم حنظل اور شجرۂ زقوم کا برگ و بار ہے کہ زن ، زر ، زمین ـــــ میں جمیع الناس ہر کس و ناکس کی ملکیت برابر ہے ۔ ہر ایک کی ماں ، بیوی ، بہن ، بیٹی سب کے لئے ، یک وقت حلال ہے ۔ ہر ایک کے مال و جائیداد میں سب برابر کے شریک ہیں ۔ کیا ایسی خباثت ، جنگ و جدل اور معاشرے کے امن و سکون کو غارت کرنے کی شنیع سازش نہیں ؟ کیا ایسے اباحت پسند کسی کی عزّت و عصمت کو محفوظ رہنے دیں گے ؟ آج ہم اس پر چیخ رہے ہیں کہ آج کے پاکستان کی سوشل ڈیموکریٹک فیڈرل گورنمنٹ کے ذمہ دار عناصر بلکہ وزیر اعظم نے بارہا اسلامی حدود کو ظالمانہ قرار دے کر اسلام کی توہین کی ہے ۔ کیا ہم یہ نہیں سوچتے ان اباحت پسندوں کا منشور ہی زن ، زر ، زمین میں وہ نام نہاد "مساوات" ہے ۔ جس کا منطقی نتیجہ جنسی انارکی ، حرام کاری اور حرام خوری ہے ۔

امیر و غریب کی باہمی چپقلش اور جنگ تباہ کُن امن کے خاتمہ کا واحد راز اسلامی نظام میں مستور ہے ۔ اسلام اخوت و ایثار کے ذریعہ باہمی فاصلے ختم کرتا ہے کہ اسلام کی اصل حکمرانی دِلوں پر ہوتی ہے اور اگر دِلوں کی اصلاح ہو جائے تو پُورا معاشرہ خوشحالی اور امن کا گہوارہ بن جائے ۔

گویا اسلام میں ربط و ضبط کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور یوں یہ ایک منظم ضابطۂ حیات ہے ۔ جو زندگی کے ہر شعبہ میں فطری اصولوں کے عین مطابق کامیاب رہنمائی کرتا ہے ۔ اقتصادی مسائل کے حل کے لئے اسلام اسلام رہنما اصول عطا کرتا ہے ۔

اوّلاً تو اسلام نے دنیا اور طاقت کے مقابلے اخروی غیر ممنون (غیر مقطوع) انعامات کا وعدہ فرما کر دنیاوی دولت (Pelf) طاقت (Power) اور شان و شوکت (pomp) کی حقارت اور نفرت نگاہوں اور دِلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پَر کے برابر (بھی وقیع) ہوتی تو رب تعالیٰ دنیا سے کافر کو پانی کا گھونٹ بھی نہ پلاتے ۔" (ترمذی) اسی لئے ہم اگر دیکھتے ہیں کہ کفار کو ، منکرینِ خدا و رسول کو ہم سے زیادہ دولت حاصل ہے ۔ تو جاننا چاہیئے کہ دولت ، شوکت ، طاقت نہ مقصودِ فطرت ہے نہ معیارِ مسلمانی !

ثانیاً طبقاتی و گروہی تفاوت و آویزش سے سماج کو بچانے کے لئے اصول عطا کئے ۔ ایک طرف سرمایہ دار اور امیر سے کہا کہ جس نے اللہ کے نام پر نہ دیا وہ بخیل اور شرالناس ہے ۔ دُوسری طرف فرمایا جس نے

اللہ کے نام پر سوال کیا وہ کمینہ اور رذیل ہے ۔ مالدار سے فرمایا "دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے"۔ نادار کو ہدایت دی ، "زادِ راہ لے لو کیونکہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے"۔ جہاں امیر کو زکوٰۃ ، عشر ، صدقہ اور قرضِ حسنہ اور سب سے بڑھ کر "انفاق" کی تعلیم دی اور قرض کی اس ادائیگی پر بیشمار اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا وہاں غرباء و مساکین کو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہونے کا حکم فرمایا اور اس پر بھی حد درجہ ثواب و عطاء کا وعدہ فرمایا ۔ اور زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کے لینے کو ایک طرح سے معیوب قرار دیا ۔

بہرکیف اسلام نے اِس تنبیہ و تادیب اور ترغیب و تاکید (دربارۂ صدقہ، خیرات ، زکوٰۃ ، عُشر ، فطرانہ ، جذیہ ، قرضِ حسنہ اور انفاق) کے ساتھ ساتھ ان تمام حیلوں اور چالوں کو حرام اور ممنوع قرار دیا ۔ جو ارتکازِ دولت اور سرمایہ داری کے موجب ہیں ۔ جیسے رشوت ، سود ، ذخیرہ اندوزی ، بلیک مارکیٹنگ ، سمگلنگ ، قمار یا سٹہ بازی اور ملاوٹ جیسے غیر انسانی اور غیر فطری طریقوں کو شرعاً ، اخلاقاً اور قانوناً رد کر دیا ہے ۔ کیونکہ یہ سب غصب اور خیانت ہی کی مختلف شکلیں ہیں ۔ اور یہی وہ بیماریاں ہیں جو ہمیشہ سے فتنہ و فساد اور جدال و قتال کا باعث بنتی رہی ہیں اور جن کا علاج بجز اسلام ، دنیا کے کسی بھی معاشرتی یا معاشی نظام میں موجود نہیں ۔ مشرق کی اشتمالی اشتراکیت (کمیونزم ، سوشلزم) ہو یا مغرب کی سرمایہ دارانہ جمہوریت (کیپٹل ازم ڈیماکریسی) ، یہ سب طاغوتی طاقتوں کے مفادات کے حصول کے ہتھیار ہیں ۔ اور سراسر استحصال پر مبنی ہیں اگر ہم چاہتے ہیں کہ پوری دنیا میں امن و سکون اور خوشحالی کی فضا پیدا ہو ، معاشرہ ، فطری رعنائیوں سے بھر جائے ۔ تو یہ اسلام کے فطری اصول و قوانین کی پابندی سے ممکن ہے کہ پھر بفرمان حضرت مسیح مقدس عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام "زمین اپنے خزانے اُگل دیتی ہے اور آسمان اپنی برکتیں برسانے لگتا ہے ۔"

بقیہ از صفحہ ۴۲

- موجودہ حکومت صحیح اسلامی معاشرہ قائم کرے گی ۔ (بے نظیر)

گنجی سنے نہونا کی لے تے نچوڑنا کی لے !

- میرا ذاتی کردار سکرین کرداروں کی وجہ سے مسخ ہو رہا ہے ۔ مجھے گنڈاسا اور کلاشن کوف سے نجات دلائی جائے ۔ (اداکار سلطان راہی)

پھر میں نے آج بھول کے دیکھا جو آئینہ
میرا وجود میرا پتہ دے گیا مجھے

خادم حسین

زبان میری ہے بات اُن کی

- آل پارٹیز کانفرنس میں سب سے پہلے نورانی میاں آئے۔ (ایک خبر)

ان کے ہاتھ میں چھڑی، منہ میں پان اور ایچ ایم انصاری ساتھ تھے۔
عہد و پیماں ہوں تو ایسے ہوں۔

- اُردو بولنے والوں کو اب سندھ چھوڑنا ہوگا۔ (حاکم زرداری، جنگ یکم مارچ ۹۰ء)

میں نے نہیں کہا کہ اُردو بولنے والوں کو سندھ سے نکال دیا جائے (حاکم زرداری، جنگ ۲ مارچ ۹۰ء)
سچ ہے، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔

- آصف زرداری نے موہری شریف کے عُرس کا افتتاح کیا۔ (ایک خبر)

ایسے لگتا ہے جیسے کوئی کہہ رہا ہو۔ "نور جہاں نے پیر کوڑی شریف کا نکاح پڑھایا۔"

- ایک طرف عورت ہے دوسری طرف مرد — جاؤں تو جاؤں کہاں؟ (عبدالستار نیازی)

نورانی میاں تو عورت سے مار کھا گئے۔ آپ پٹھان ہیں۔ دیکھ لیں!

- میری کابینہ میں فاختائیں زیادہ ہیں — باز کم۔ (بے نظیر)

نہیں نہیں، گدھیں زیادہ ہیں — فاختائیں کم۔

- پولیس تشدد کے خلاف احتجاج کرنے والی کی زبان کاٹ دی گئی۔ (ایک خبر)

یہی ظلم کوئی اور کرے تو وہ قاتل — پولیس کر بادردی ڈاکو کیوں نہ کہا جائے۔

- وفاقی حکومت نے ٹی وی کو پیپلز پارٹی کا "ٹورنگ سینما" بنا دیا ہے۔ (لدھ شہ لودھی)

مومنات کی حکومت ہے — جناب!

- پاکستان کو سُنی سٹیٹ قرار دیا جائے۔ (علماء اہلِ سُنّت کا بیان)

بی بی! جمہوریت کے نقطۂ نظر سے بھی مطالبہ بالکل درست ہے۔

- ملک میں جمہوریت صرف جنرل بیگ کی وجہ سے ہے ۔ (صدر اسحٰق)

وہ تو پہلے دن ہی پتہ چل گیا تھا ۔

- ہنگری کی ایک سیاسی جماعت نے ایک سرکاری عمارت سے سُرخ ستارے کا نشان اُتار کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ۔ (ٹی وی خبرنامہ)

پاکستانی سُرخوں کو مُبارک !

- ہم نے تحریکِ نفاذِ فقہ جعفریہ سے اشتراک کیا ہے ۔ اتحاد نہیں ۔ (طاہر القادری)

یوں کیوں نہیں کہتے کہ ہم نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ سے مُتعہ کیا ہے ۔ نکاح نہیں ۔

- ضیاء کی باقیات پیپلز پارٹی کے وزیر ہیں ۔ (غوث علی)

اسے بھی ایک دن لے ڈوبیں گے ۔

- نورانی ، عورت کی سربراہی کو تسلیم نہ کرنے کا اعلان کریں تو صلح ہو گی ۔ (عبدالستار نیازی)

یہ تو ٹھیک ہے مگر ، ناز پان مسالہ .... ؟

- ساجد نقوی کے کلاشن کوف بردار محافظ ، وزیراعظم سیکرٹریٹ کے اندر چلے گئے ۔ (ایک خبر)

اور طاہر القادری بے چارے کو کلاشن کوف کی بجائے ڈاکٹر اسرار کو ساتھ لے جانے کی اجازت ملی ۔

- پیپلز پارٹی کے ایجنٹ ٹانگ نہ اڑائیں ۔ ہم سے زیادہ بدمعاش کوئی نہیں ۔ (ولی خان)

نہلے پہ دہلا !

- کانسٹیبل کے گھر ڈکیتی پولیس نے مقدمہ درج کرنے سے انکار کر دیا ۔ (ایک خبر)

کانسٹیبل نے بھی رشوت نہیں دی ہو گی ۔

- مولانا نورانی کی بے نظیر سے ملاقات کرائی جائے گی ۔ (شیر افگن)

اٹھاسی کے بند نوٹے —— ہائے ! عرصے کے ترسے ۔

- تحریکِ نفاذِ فقہ جعفریہ کی طرف سے مولانا حق نواز کے قتل کی مذمت ۔ (ایک خبر)

یعنی وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا !

● مولانا جھنگوی کے قتل میں نامزد ملزموں کو خود پولیس کے حوالے کیا ہے

(سید محمد تقی صدر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پنجاب)

مولانا حق نواز کے قتل کے ملزموں سے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے تعلق کا منہ بولتا ثبوت ۔

● روسی، گھروں اور کارخانوں کے مالک بن گئے ۔ (ایک خبر)

سوشلزم نے سرمایہ داری سے شادی کر لی ۔

● میں ہمیشہ یہ کہتا رہا ہوں کہ شرعی اعتبار سے عورت کی سربراہی حرام ہے ۔ (نورانی)

اور تنہائی کی ملاقاتیں ـــــ ؟

● ایران میں حکومت کے خلاف پرتشدد مظاہرے ۔ (ایک خبر)

ہر عمل کا ایک ردِ عمل ہوتا ہے ۔

● پیر پگارا کی گھوڑی "ملین ایئرس" نے ڈربی جیت لی ۔ (ایک خبر)

ٹھک ای ! طباخی دے بوہڑا ! بیا کجھ نیئں ۔

● طاہر القادری کو جھنگ کے شہریوں نے شہر میں داخل ہونے سے روک دیا ۔ (ایک خبر)

کہ قاتلوں کا دوست بھی قاتل ہوتا ہے ۔

● میرانی کے خسر بھی وزیر اعلیٰ سندھ تھے ۔ (ایک خبر)

ظاہر ہے ۔ میرانی کا خسر تو وزیر اعلیٰ سندھ بننے سے رہا ۔

● پاکستان پیپلز پارٹی مضبوط پاکستان کی بجائے اپنی حکومت مضبوط کر رہی ہے ۔ وزراء اپنی تجوریاں بھرنے میں مصروف ہیں ۔ (ولی خان)

غریب پارٹی کے یتیم وزراء پر الزام نہ لگائیے خان صاحب !

● پیپلز پارٹی کسی مہم جو کو مارشل لاء نہیں لگانے دے گی ۔ (کھر)

۵ جولائی ۱۹۷۷ء ـــــ جب اس نے تمہاری گاگر سے پانی پیا تھا ۔ وہ دن یاد کرو !

● عریانی اور فحاشی کے سخت خلاف ہوں ۔ (اداکارہ انجمن)

تو پھر یہ انجمن آرائی کیسی ـــــ ؟

بقیہ صفحہ ۴۹ پر

معاصر سے انتخاب

پی ٹی وی کا ایک مہمانِ خصوصی

ڈاکٹر راز کرلانی
(پشاور)

پشتو ڈکشنری پراجیکٹ
یا
قادیانیت کی تبلیغ کا مرکز!

۱۳ فروری کو پی ٹی وی اسلام آباد کے ہفتہ وار پروگرام "مہمان خصوصی" میں جس شخصیت کو سٹوڈیو میں مہمان خصوصی کے طور پر بلایا گیا تھا اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پی ٹی وی پشاور سنٹر میں بعض پروڈیوسرز کتنے محبِ وطن اور اسلام دوست ہیں؟ اس پروگرام میں پشاور کے معروف قادیانی عالم صاحب زادہ حبیب الرحمان قلندر مہمند کو مہمانِ خصوصی کے طور پر سکرین پر دکھایا گیا۔ اس کا ایک شاگردِ رشید اور پی ٹی وی پشاور کا ایک پروڈیوسر بھی اس کے ہمراہ تھا۔ قلندر مہمند کی ذہنیت۔ عقیدے اور تاریخ جغرافیئے سے پردہ اٹھانے کے لئے ذرا اسکی سابقہ اور موجودہ سرگرمیوں پر تو نظر ڈالئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ ٹی وی والے اسے مہمانِ خصوصی بنانے میں کس قدر حق بجانب ہیں ——— ؟

ایک دِن کا تدریسی تجربہ نہ رکھنے کے باوجود وہ گومل یونیورسٹی لا کالج میں انیسویں گریڈ میں بھرتی کر لیا گیا:

قلندر مہمند کسی زمانے میں پشاور کے کمپٹرولر آفس میں ایک کلرک کی حیثیت سے کام کرتا تھا، پھر ربوہ کی مالی مدد سے اس نے پشاور یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم اے کیا اور انگریزی کا استاد مقرر ہوا، مگر سال ۱۹۵۸ء میں اس وقت کے افغان کونسلر غلام حسین صافی کے ساتھ پشتونستان کی سازباز میں ہمہ تن مصروف ہوا تو اس کی ملک دشمنی پر مبنی تحریریں حکومت وقت کے ہاتھ لگ گئیں اور یوں اُسے ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے، بعد ازاں اس نے ایس ایم لاء کالج کراچی سے قانون کی ڈگری حاصل کی مگر وکالت کا پیشہ اس کے لئے منفعت بخش ثابت نہ

ہو سکا۔ سال ۱۹۷۹ء میں اسکی قسمت جاگ اُٹھی جب خان عبدالعلی خان گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ چنانچہ خان صاحب نے صاحب زادہ امتیاز چیف سیکرٹری صوبہ سرحد کی سفارش پر قلندر مہمند کو براہِ راست گریڈ انیس میں بھرتی کراتے ہوئے اُسے لاء کالج کا پرنسپل مقرر کیا، گریڈ انیس میں ملازمت پانے کے لئے اسے قانون کے مضمون میں تیرہ سالہ تدریسی تجربہ کی ضرورت تھی، جبکہ متعلقہ مضمون میں اس کا ایک دن کی تدریس کا تجربہ بھی نہیں تھا ——— گومل یونیورسٹی میں اپنے تدریسی فرائض انجام دینے کے بجائے اس نے نوجوان طلباء کے ذہنوں میں قادیانیت کی تعلیم ٹھونسنی شروع کی۔ مگر اسلام پسند طلباء نے اس کے مذموم عزائم کو خاک میں ملا دیا اور اسے جان بچانے کے لئے گومل یونیورسٹی سے راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ گومل یونیورسٹی کی ملازمت چھوٹ جانے کے بعد قلندر مہمند ایک دفعہ پھر اپنے جگری اور فکری دوست صاحب زادہ امتیاز احمد کے پاس آیا ——— صاحبزادہ امتیاز نے اُس سے کہا ——— "نیور مائنڈ" ——— چنانچہ صاحب زادہ امتیاز نے پشتو ڈکشنری پراجیکٹ کے نام سے ایک نیا ادارہ کھول دیا اور اپنے فکری دوست کو اس کا ڈائریکٹر مقرر کر دیا حالانکہ قلندر مہمند نے تاحال پشتو میں ایم اے تک بھی نہیں کیا۔ دراصل صاحب زادہ امتیاز عرصہ سے ایک ایسے سیل کی اشد ضرورت محسوس کر رہے تھے جہاں اس کا جگری دوست آزادانہ طریقے سے قادیانیت کی تبلیغ کر سکے۔ چنانچہ پشتو ڈکشنری پراجیکٹ میں ڈکشنری کا کام کم اور قادیانیت کی تبلیغ کا کام زیادہ ہو رہا ہے، بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ پشتو ڈکشنری پراجیکٹ کا دفتر دراصل قادیانیوں کے لئے ایک مرکزی سیل کا کام کر رہا ہے اور صوبہ سرحد کے ہر خورد و کلاں کو اس کا بخوبی علم ہے۔

سال ۱۹۸۳ء میں صاحب زادہ امتیاز احمد کی سفارش سے جناب قلندر مہمند کو ادب میں حُسنِ کارکردگی کا ایوارڈ دیا گیا اور سال ۱۹۸۹ء میں اسے جمہوریت کے ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ گویا کہ آمریت اور جمہوریت دونوں نے اس کی جھولی کو گوہرِ مراد سے بھر دیا۔ محترم قلندر مہمند کے روابط بڑے گہرے ہیں۔ پی ٹی وی پشاور سنٹر پر اس کی گرفت بڑی مضبوط ہے کیونکہ وہاں اُس کے کچھ چیلے موجود ہیں، جو عقیدت کی حد تک اس کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں، آج کل پشاور سنٹر کے جی ایم اور قلندر مہمند کے کچھ چیلے اسے ایک خاص مقصد کے تحت بہت زیادہ پروجیکشن دے رہے ہیں، لوگ اس مقصد سے بخوبی واقف ہیں کیونکہ قلندر مہمند ۳۰ اپریل ۱۹۹۰ء کو اپنی عمر کے ساٹھ سال مکمل کرنے والا ہے۔ چنانچہ اس کے چیلے ہر طرح سے زور لگا رہے ہیں کہ اس کی ملازمت میں توسیع کر جائے۔ حیرت کی بات یہ نہیں ہے؛

کہ یہ سب کچھ بڑی دیدہ دلیری سے ہو رہا ہے بلکہ حیرت کی بات یہ ہے کہ پشاور کے مذہبی اور ادبی حلقوں نے اس سلسلہ میں مکمل خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ قلندر مہمند کی پاکستان اور اسلام دشمنی کوئی ڈھکی ——— چھپی بات نہیں لہذا ہم صدر پاکستان غلام اسحاق خان، وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو، گورنر صوبہ سرحد جناب امیر گلستان جنجوعہ اور صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ جناب آفتاب شیرپاؤ سے گزارش کرتے ہیں کہ قلندر مہمند کے سابقہ سیاہ ریکارڈ کے پیش نظر اس کی ملازمت میں توسیع نہ دیں اور پشاور ٹی وی سنٹر کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا جائے۔

ایچ اے شہباز — اسلام آباد

مرے وطن کی صحافت کا حال مت پوچھو

تین بڑے وفاقی وزیروں خواجہ طارق رحیم، اعتزاز احسن اور ڈاکٹر شیر افگن نے اسمبلی کیفے ٹیریا میں اخباری نمائندوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے پر زور الفاظ میں تردید کی کہ وزیر اعظم نے نئے سرے سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم آئینی طور پر اس کی پابند نہیں ہیں اور اخبارات میں جو کچھ شائع ہوا محض قیاس آرائی ہے۔

اخبارات میں اس ضمن میں اب تک جو کچھ شائع ہوا وہ وفاقی حکومت کے اہم وزیروں کے حوالے سے شائع ہوا ہے اس کے ذمہ دار اخبارات کے وہ رپورٹر ہیں جن کے ساتھ ان وزیروں کے گہرے ذاتی تعلقات ہیں اور ان رپورٹروں کو وزیروں کے بیڈ روموں تک رسائی حاصل ہے۔ وزیر صاحبان ان رپورٹروں کو گمراہ کن ——— (DISINFORMATION) خبریں پھیلانے کے لئے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب یہی گمراہ کن خبریں ان کے اپنے دامن کو داغدار کرنے لگتی ہیں تو انہیں قیاس آرائی کہہ دیتے ہیں اپنے چہیتے رپورٹروں کو ان کے ہم پیشہ لوگوں میں ذلیل و خوار کر دیتے ہیں۔ وفاقی وزیروں کے ان "با اعتماد" رپورٹروں کو داد دینا پڑے گی کہ رسوا ہو کر بھی ان کے ساتھ نتھی رہتے ہیں اس لئے کہ ان کا اپنا مفاد اسی میں ہے۔ انہیں بیرونی دوروں پر جانا ہوتا ہے، پلاٹ لینے ہوتے ہیں، سیمنٹ کی ایجنسیاں لینی ہوتی ہیں، ہوٹلوں اور ریستورانوں کے لئے این او سی لینا ہوتا ہے۔ سرکاری دو چیروں پر اپنی گاڑیوں میں پٹرول ڈلوانا ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے اخبارات

کے لئے زیادہ سے زیادہ سرکاری اشتہار حاصل کرنا ہوتے ہیں۔" با اعتماد" رپورٹر آزادی صحافت پر مفاہمت کرتے ہوئے وزیروں کے ساتھ اپنے خصوصی تعلقات کی بنا پر جو خبریں شائع کریں گے عوام کو ان پر اعتبار کرنا ہی پڑے گا۔ شاید اسی موقع کے لئے ایک شاعر نے کہا ہے ؎

وہ جھوٹ بولتا تھا اس قدر سلیقے سے
میں اعتبار نہ کرتا تو اور کیا کرتا!

بشکریہ "ثالث" لاہور
۱۴ اپریل ۱۹۹۰ء

بلا تبصرہ

احترامِ رمضان

بہاولپور ۲۹ مارچ (نامہ نگار) "اسلام ہمارا دین ہے" کے متوالوں اور پیپلز پارٹی کے جیالوں نے آج احترام رمضان کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ پیپلز پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے رکن غیاث الدین جانباز کی آج واپڈا ریسٹ ہاؤس میں گیارہ بجے دوپہر پریس کانفرنس تھی۔ اس موقع پر پیپلز پارٹی کے ڈویژن بھر کے عہدیدار اور کارکنان موجود تھے۔ اخبار نویسوں کے لئے اس موقع پر چائے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ماسوائے دو کے، اخبار نویسوں نے چائے نہ پی۔ لیکن چائے پر پیپلز پارٹی کے ڈویژنل، ضلعی، تحصیل اور شہر کے عہدیداروں کے علاوہ کارکن ٹوٹ پڑے، برفی، گلاب جامن، نکو، کنو، اور کیلوں سے بھری ہوئی میز چند لمحوں کے بعد خالی پلیٹوں اور چھلکوں کے ساتھ روزہ خوروں کا منہ چڑا رہی تھی۔ جب احترام رمضان کی جانب توجہ دلائی گئی تو سب نے بہانہ کیا۔ البتہ پی پی کے چند افراد روزے سے تھے۔ غیاث الدین جانباز۔ اس ہنگامہ خیز چائے پارٹی میں شریک نہ ہوئے۔ ان کی چائے اور فروٹ سے علیٰحدہ کمرے میں تواضع کی گئی۔

(روزنامہ نوائے وقت ملتان بروز جمعۃ المبارک ۳ رمضان ۱۴۱۰ھ، ۳۰ مارچ ۱۹۹۰ء صفحہ اول)

کشمیر — ایک تاثر

ماضی سے حال تک

عبدالقدوس انصاری احمدپور شرقیہ

بیدزاروں، آبشاروں، سرخ چناروں کا دیس مرغزاروں کی وادی اور زعفرانی کشت زاروں کی سرزمین جس کے بارے فارسی کے مشہور شاعر عرفی نے کہا شعر "گرمرغ کباب است کہ با بال و پر آید" کہ مرغ کا بھنا ہوا کباب اس وادی میں پہنچے تو اس کے بال و پر نکل آئیں گے۔ ایسے ہی کشمیر جنت نظیر کے بارے ایک شاعر نے بیساختہ کہا ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است | ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

وہی جنت نظیر کشمیر اسکی وادیاں پوری بہیمیت اور بیدردی سے ظالموں کے ظلم کی آگ میں جھلس رہی ھیں، جل رہی ھیں، خونِ ناحق سے بے پناہ سیلاب میں بہا رہی ھیں۔

اگرچہ اس ظلم و استبداد کی تاریخ بہت پرانی ہے جو ہر ظالم قوت اپنے جابر ہاتھوں سے مظلوم پر دھراتی ہے بموجودہ صورت حال کے پیش نظر کشمیری عوام اپنی بربادی و تباہ حالی کے پرچم ہاتھوں میں لئے اپنی آزادی خودمختاری اور حق کی خاطر بالکل نہتے بے سروسامان بغیر تیغ و تیر پنجہ آزما ھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں فتح و نصرت سے نوازے۔ آمین۔ پنجہ آزمائی کی یہ داستان پرانی بہت پرانی ہے مگر پاکستان کی نئی نسل اور نئے عوام کو کشمیر کی تاریخ کے ان تاریخی حقائق ان بھولی بسری داستانوں کی کچھ خبر نہیں جو حقائق آج اس اہم موڑ پر پہنچ چکے ھیں، نئی پود نہیں جانتی کہ بدنام زمانہ "معاہدہ امرتسر" کے مطابق انگریزوں نے کشمیر کو اس کے عوام کو اس کے پہاڑوں کو اسکی جھیلوں کو اس کے میدانوں مرغزاروں اور خوشبوؤں سے مہکتے ہوئے زعفران کے راشوں کو چھتّر لاکھ کی حقیر رقم کے بدلے آج سے ٹھیک ایک سو سال پہلے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھوں بیچ دیا تھا — کچھ وقت گزرنے کے بعد غربت کے ہاتھوں بے بس دلاچار کشمیری مظلوموں نے باھم مشورے سے طے کیا کہ ہم ایک ایک روپیہ فی کس اکٹھا کر کے اتنی رقم انسانوں کی قیمت خریدنے والے مہاراجہ گلاب سنگھ کو واپس دے کر کشمیر کو واگزار کرالیں لیکن وا حسرتا! کہ وقت گزر چکا تھا ——

واضح رہے کہ اس وقت ظالم و مظلوم کی آویزش کا مقدمہ سننے اور انصاف کرنے والا عالمی ادارہ مجلس اقوام بھی بیک بینی و دو گوشش موجود تھا۔ جسے اکثر مظلوم ممالک کی مظلوم اقوام کفن چوروں کے معروف ادارہ سے یاد کرتی تھیں۔ یہ ادارہ آج بھی اپنے ہوش و گوش بڑی طاقتوں کے لئے وقف و مختص کئے ہوئے ہے جس پر علامہ اقبال رحنے اپنی آفاقی شاعرانہ زبان میں اشارہ کرتے ہوئے ہوئے بڑی دردمندی سے کہا ؎

اے بادِ صبا گر بہ جینوا گزر کنی
حرفے ز ما بہ مجلسِ اقوام باز گو
دہقان و کشت جوئے و خیاباں فروختند
قوسے فروختند چہ ارزاں فروختند

چنانچہ اس ظلم و تعدّی کے خلاف متحدہ ہندوستان کی ایک سرفروش دردمند جماعت مجلس احرار اسلام جنت نظیر کشمیر میں برستی ہوئی آگ و خون کی بارش پر مجسم احتجاج بن کر اس ظلم و سفاکی کے خلاف صف آرا ہوئی۔ مگر وائے افسوس کہ اس نازک موقع پر ہندوستان کی کسی سیاسی، مذہبی اور سماجی جماعت نے (بہ معیت مسلم لیگ) اسلامی اخوت اور انسانی جذبۂ ہمدردی و قومی یک جہتی کا مظاہرہ نہ کیا۔ چھتر لاکھ کشمیری انسانوں کی بک جانے والی قسمت پر کسی مائی کے لال کی ہمت و غیرت سامنے نہ آئی۔ ظلم کے آتش فشاں میں بے خطر کود جانے والے بے سر و سامان احرار کے سرفروش جیالے نمازِ عشق ادا کرنے کے لئے اس وادئ خون آشام میں پہنچ گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ظالم و مظلوم کے فیصلہ کن معرکہ کا خوفناک بگل بج گیا ہے۔ دوسری جانب ملک کی سیاسی و مذہبی جماعتوں نے جن کا تعلق امراء و رؤسا سے تھا اپنی رسوائی سے بچنے کی خاطر مجلس احرار اسلام پر طرح طرح کے بے تکے قصیدے اچھالے سلسے خود غرضی کے خطابات سے نوازا گیا۔ کہنے والوں نے تو اور بھی بہت کچھ الزامات عائد کئے جبکہ ان الزامات کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر احرار جانباز بھی اپنی دھن کے پکے تھے انہوں نے حاسدوں کے مخالفانہ ٹیس مٹیس کو پائے حقارت سے روندتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ لئے اس وقت کے ظالم ڈوگرہ راج کو پوری دلیری اور شجاعت سے خبردار کرتے ہوئے للکارا ؎

اِدھر آ ، ظالم ہنر آزمائیں ÷ تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں گے

چنانچہ ۱۹۳۰ء میں یہ سرفروش کوئے یار سے نکل کر سوئے مقتل روانہ ہوگئے۔ اپنے رضاکار

نے شہرِ اقبالؒ (سیالکوٹ) میں جمع کئے اور یہیں سے ہنستے جانباز مجاہدوں نے ڈوگرہ راج کی گولیوں اور سنگینوں کے سامنے تن کر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا آج بھی تاریخ جس کی شاھد ہے گواہ ہے کہ مجلسِ احرارِ اسلام کا شباب تھا جس شباب کے صدقے وہ ستاروں کو شکار کرنے نکلے جبکہ کسی نے بھی اُن کا ساتھ نہ دیا۔ وہ اپنی چمکتی کلہاڑیوں کے ساتھ میدانِ وغا میں اُتر گئے اور بقول ؎

برایں کمال کہ دامن سگک سگک اُٹھا ؛ طوافِ شعلہ رخاں بار بار کرتے تھے

تاریخ اپنے آپ کو خود دُہراتی ہے اور تا قیامت دُہراتی رہے گی ۔ تاریخی حقائق کے پیشِ نظر مذکورہ معروضات پیش کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ روزِ اوّل اگر تمام مسلمان اسوقت اتحاد و یک جہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کندھے سے کندھا ملا کر مجلسِ احرار کی معاونت کر کے محاذِ کشمیر میں بے خطر کود پڑتے تو آج کشمیر میں خُون و آتش کی یہ ہولی نہ کھیلی جا رہی ہوتی جس کے ردِعمل کے لئے آج ہم سانپ گزر جانے کے بعد لکیر پیٹنے کے بجائے اپنی نمائشی بے عملی کا سوانگ رچائے باہم اتحاد و یک جہتی کا "تکلفاً" وعظ فرمانے میں مصروف ھیں ۔ اپنی کوتاہ نظری و کم ہمتی سے اغماض کئے کشمیر کے بارے اپنی منتخب" نوزائیدہ جمہوری حکومت" پر طعن و تشنیع کے تیر برسا رہے ھیں ۔ ہر جماعت ہر پارٹی ہر سیاسی رہنما ہر جُبہ و دستار کی حامل شخصیت ہر برسرِ اقتدار کھلنڈرا اپنی سیاسی ، مذہبی سماجی و سرکاری دکانداری چمکانے کے لئے بے اثر صدائے احتجاج کا نقارہ پیٹ رھا ہے ۔

معذرت خواہانہ عرض کرنے کی جسارت کا مقصد یہ نہیں کہ راقم کشمیر کے مظلوموں کی حقِ خود ارادیت کا حامی و طرفدار نہیں حاشا وکلّا ـــــــ واللہ باللہ ایسا نہیں ۔ صرف اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے سوچیں جیسے کسی قدیم دور میں کسی کہنے والے نے کہا تھا "کعبہ جانے اور کعبے والا جانے مجھے میرے اونٹ واپس کر دو"۔ ہمیں بھی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اوّل اوّل اپنے گھر کی حفاظت کرنی چاہیئے جو خس و خاشاک سے بھرا ہوا ہے اس کے بعد ذوی القربا کی باری آتی ہے ۔ آیئے اس ربّ کبریا کے حضور سجدہ ریز ہو کر گڑگڑائیں ۔ اپنی سابقہ بے عملی کی معافی مانگیں کہ تلافیٔ مافات ہو اور کشمیر آزاد ہو ؎

توڑ اس دستِ جفا کیش کو یاربّ جس نے
رُوحِ آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

شہدائے ختمِ نبوّت کے نام

ساغر صدیقی مرحوم

جو شہادت کا جام پیتے ہیں!
سچ ہے مرتے نہیں وہ جیتے ہیں

اُن کو غلماں سلام کرتے ہیں
خلد میں وہ قیام کرتے ہیں

اُن سے تاریخ کے ورق روشن
عہدِ اسلاف کے سبق روشن

اُن کی تعظیم آسمانوں پر
اُن کا اِحسان دو جہانوں پر

بحرِ تقدیس کا صدف ہے کہے
یاد میں اُن کی گل فشاں رہیئے

ملک و ملت کے وہ حبیب ہوئے
حوضِ تسنیم کے قریب ہوئے

لبِ یزداں پہ نام ہے اُن کا
کملی والا اِمام ہے اُن کا

وہ ستاروں میں رقص کرتے ہیں
ماہپاروں میں رقص کرتے ہیں

عظمتِ کائنات ہوتے ہیں
پاسبانِ حیات ہوتے ہیں

ممتاز اطہر

غزل

آگہی دو نیم کیسے ہو گئی؟
جبر کی تنظیم کیسے ہو گئی؟

جو لہو میں تھا تموج، کیا ہوا
بے حسی تجسیم کیسے ہو گئی؟

ہاتھ میں کشکول کیسے آ گیا
زیست بے تکریم کیسے ہو گئی؟

وہ ہمارا ضبطِ گریہ کیا ہوا
درد کی تنظیم کیسے ہو گئی؟

آنکھ میں جب سویروں کے خواب تھے
تیرگی تسلیم کیسے ہو گئی؟

تیرا میرا آسماں تو ایک ہے
پھر زمیں تقسیم کیسے ہو گئی؟

حبیب اللہ رشیدی
ربوہ

مسلم لیگ ۱۹۵۳ء کے دس ہزار شہداءِ ختمِ نبوت کی قاتل ہے

پاکستان میں نفاذِ اسلام کے عمل کو سبوتاژ کرنے کی مجرم بھی لیگ ہے۔

امتناعِ قادیانیت اور تحفظِ مقامِ صحابہ آرڈی نینسوں پر عملدرآمد کرایا جائے
شہداءِ ختمِ نبوت کا مشن جاری رہے گا

ربوہ میں شہداءِ ختمِ نبوت کانفرنس سے سید عطاء المحسن بخاری کا خطاب

قائد تحریکِ ختمِ نبوت، عالمی مجلس احرارِ اسلام کے جنرل سیکرٹری سید عطاء المحسن بخاری مدظلہٗ نے ۲۲ مارچ کو مسجد احرار ربوہ میں بارہویں سالانہ دو روزہ شہداءِ ختمِ نبوت کانفرنس کی تیسری اور آخری نشست سے نہایت اہم خطاب فرمایا۔ اس اجلاس کی صدارت حضرت مولانا خان محمد مدظلہٗ (کندیاں شریف) نے فرمائی۔ اور آپ کی دعاؤں پر کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔ قائدِ محترم کے بیان کا اہم حصہ اور کانفرنس کی ضروری کاروائی ھدیۂ قارئین ہے۔

قائدِ محترم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

۱۹۵۳ء کی پُر امن تحریکِ ختمِ نبوت کو مسلم لیگی حکمرانوں نے تشدد کے ذریعے کچلا اور اس کے نتیجے میں ہونے والے عوامی ردِ عمل کو ملکی مفاد کے خلاف قرار دیا، احرار رہنماؤں کو اس کا مجرم قرار دے کر جیل میں بند کیا اور دس ہزار مسلمانوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کئے۔ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اسلام کے علمبردار بھی بنے رہے۔ آپ نے کہا کہ شہدائے ختمِ نبوت کی بے مثال قربانی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے، انہوں نے ناموسِ نبوت کے لئے عظیم الشان قربانی دے کر دین کے لئے کام کرنے والوں کی جدوجہد کا رُخ متعین کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پنجاب کے بے دین جاگیردار نے ہمیشہ اپنے مفادات کے لئے قادیانیوں کی مکمل معاونت کی ہے۔ ۱۹۵۳ء میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل اعظم خان نے ظلم و بربریت کی بدترین مثال قائم کی۔ قادیانیوں نے حکومت کی سرپرستی میں پولیس کی وردیاں پہن کر بے گناہ مسلمانوں پر گولیاں چلائیں لیکن شمعِ ختمِ نبوت کو نہ بجھا سکے۔ آپ نے فرمایا کہ مسئلہ ختمِ نبوت اساسِ دین

ہے ۔اور غیر معمولی ہے ۔ ہم ملک کے ہر معاملے کو توحید ختمِ نبوت اور اسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں دیکھتے ہیں ۔ پی پی پی اور آئی جے آئی دونوں اسلام کے نام پر قوم کو دھوکہ دے رہے ہیں ۔ پاکستان مسلمانوں کا ملک ضرور ہے ، اسلامی ملک ہرگز نہیں ۔ یہاں اب تک فرنگی کا نظام چل رہا ہے ۔ پی پی پی اور مسلم لیگ پاکستان کو کبھی اسلامی ملک نہیں بنا سکتے ۔ دونوں نے ملک پر حکومت کی ہے اور اسلام کو نقصان پہنچایا ہے ۔ مسلم لیگ سب سے زیادہ عرصہ اقتدار پر قابض رہی ہے ۔ نظامِ اسلام کے نفاذ میں کوتاہی کے سلسلہ میں وہ سب سے بڑی مجرم ہے اسی کے عہدِ اقتدار میں تحریکِ ختمِ نبوت کے رضاکاروں پر گولیاں برسا کر ہلاکو اور چنگیز کا کردار ادا کیا گیا ۔

اب اقتدار پی پی پی کے پاس ہے مگر ملک کے کلیدی عہدوں پر انتہائی بے شرمی کے ساتھ غیر مسلم اقلیتوں مرزائیوں اور رافضیوں کو مسلط کیا جا رہا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ دینی جماعتیں اور ان کے قائدین جب تک اپنے انفرادی سیاسی مفادات اجتماعی مقصد پر قربان نہیں کرتے اسلام نافذ نہیں ہوگا ۔ نفاذِ اسلام دینی قوتوں کے اتحاد کی سب سے بڑی قدرِ مشترک ہے ۔ علماء انہی پر متحد ہو کر ملک کی قسمت بدل سکتے ہیں ۔ موجودہ مرکز صوبہ رسّہ کشی بھی ذاتی مفادات کے لئے ہے ۔ ملک کے لئے نہیں ۔ دونوں جلسے جلوسوں کے ذریعے عوام کو بے وقوف بنا رہے ہیں ۔ کروڑوں روپے کا قومی سرمایہ ضائع کر رہے ہیں ۔ ملک کا سیاسی معاشی اور معاشرتی نظام معطل کر دیا گیا ہے ۔ قوم کو پریشانیوں اور اذیتوں میں مبتلا کیا ہے ۔ مہنگائی ، غنڈہ گردی ، فحاشی اور عریانی عروج پر ہے ۔ یہ مسائل حکومت کی ناکامی کا واضح ثبوت ہیں ۔ کانفرنس کی پہلی دو نشستوں سے مولانا قاضی عبداللطیف اختر شجاع آبادی ، مولانا اللہ یار ارشد ، خالد مسعود گیلانی ، حکیم محمد صدیق تارڑ ، بدر منیر احرار ، ظفر اقبال ایڈووکیٹ خالد لطیف چیمہ اور دیگر رہنماؤں نے خطاب کیا ۔ چند قراردادوں کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مولانا حق نواز جھنگوی کے قاتلوں کو فوراً عبرتناک سزا دی جائے ۔ حکومت مرزائیت نواز پالیسی ترک کر کے انہیں کلیدی عہدوں سے فوراً برطرف کرے ۔ امتناعِ قادیانیت اور تحفظِ صحابہؓ آرڈیننسوں پر مؤثر عمل درآمد کرایا جائے ۔ آزادیٔ کشمیر کے لئے جہاد کا اعلان کیا جائے اور واضح پالیسی کا اعلان کیا جائے ۔ مجاہدینِ افغانستان کی عبوری حکومت کو تسلیم کر کے ان کی مکمل حمایت کی جائے ۔ کانفرنس کے آخر میں چینوٹ کے پل کی فوری تعمیر کا مطالبہ کیا گیا ۔ پل کافی خطرناک ہو چکا ہے اور کسی بھی وقت کسی بڑے حادثے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے ۔

ڈانکاسٹر (برطانیہ)

محترم سید اسد اللہ طارق

بڑھیں اسقدر میری منزلیں کہ قدم کے خار نکل گئے

حضرت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کا سفرِ انگلستان ۔ "مسافر نواز" گویا ہے

مولانا سید اسد اللہ طارق برطانیہ میں مجلس احرارِ اسلام کے سرگرم رہنما ہیں، احرار ختم نبوت مشن یو کے عنوان سے مرزائیت کا زبردست تعاقب کر رہے ہیں، آپ محدث العصر سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے مایۂ ناز شاگردوں میں سے ہیں، ذیل میں ان کا مکتوب شائع کیا جا رہا ہے، جو اپنا تعارف آپ ہے

(ادارہ)

قائد تحریک تحفظِ ختم نبوۃ ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کی آمد کئی ماہ سے متوقع تھی۔ جملہ احباب وقفے وقفے سے پوچھتے رہتے کہ شاہ صاحب کی تاریخ آمد طے ہوئی یا نہیں؟ پھر ایک روز ہڈرسفیلڈ سے عزیزی بھائی سید خالد مسعود گیلانی کا فون آیا اور انہوں نے یہ خوش کن اطلاع دی کہ شاہ صاحب بذریعہ ترکش ائرلائن استنبول کے راستے ۵ دسمبر کو لندن پہنچ رہے ہیں۔ ہڈرسفیلڈ کے احباب نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم خود جا کر استقبال کریں گے اور دو سو میل کا یہ سفر کار کے ذریعہ طے کر کے شاہ جی کو لندن سے سیدھے ہڈرسفیلڈ لائیں گے۔ باقی پروگراموں کی ترتیب بھی اس بار ہڈرسفیلڈ سے طے پانے لگی۔ ۵ دسمبر کو حضرت شاہ صاحب ہڈرسفیلڈ پہنچ گئے۔ جہاں مقامی حضرات نے شایان شان استقبال کیا اور طے شدہ پروگرام کے مطابق ڈانکاسٹر سے چند احباب بمع راقم الحروف سید اسد اللہ طارق شاہ ملاقات کے لئے ہڈرسفیلڈ پہنچے حضرت شاہ صاحب نے پوری گرمجوشی کے ساتھ ملاقات کی لیکن طویل سفر کی تکان اور کچھ سامان کے پیچھے رہ جانے پر اس کے علمی اور قیمتی حصّہ کے ضائع ہونے کے اندیشہ سے چہرہ پر اضمحلال نمایاں تھا۔ اور نیند کے خمار میں ڈوبی ہوئی آنکھیں بھی ہر دیکھنے والے کو مجلس برخواست کر دینے کا پیغام دے رہی

تھیں، بہت جلد مجلس میں بیٹھے ہر شخص کو اس کیفیت کا احساس ہوگیا بلکہ ہر شخص مخمور ہونے لگا۔ اور رفتہ رفتہ مجلس برخواست ہوگئی۔ ڈنکاسٹر کا قافلہ اس مختصر مگر پُر بہار مجلس سے سب سے آخر میں اُٹھا۔ اور یہ طے کرلیا کہ آئندہ جمعہ شاہ جی ڈنکاسٹر میں پڑھائیں گے۔ اور پھر چند روز وہاں قیام کرنے کے بعد برطانیہ کے دیگر علاقوں کا دورہ شروع کیا جائے گا۔ پہلا جمعہ آپنے مولانا سید خالد مسعود گیلانی کی مسجد اپر جارج ھڈرسفیلڈ میں پڑھایا۔ ہفتہ کے روز ڈنکاسٹر سے ہم لوگ شاہ صاحب کو لینے گئے تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کا جو سامان راستہ میں گم ہوگیا تھا وہ ابھی تک نہیں آیا سوائے پہنے ہوئے جوڑے کے اور کوئی کپڑے بھی نہیں ہیں۔ یہ کپڑے دھونے کے لئے دیئے اور غسل کیا تو جتنی دیر کپڑے سوکھنے کا انتظار کرنا پڑا شاہ جی صرف ایک معمولی چادر میں لپٹے بیٹھے رہے۔ اگرچہ ہیٹر کے پاس بیٹھے تھے مگر چونکہ موسم سخت سردی کا ہے اور سردی بھی ایسی ظالم کہ اچھے اچھوں کو پچھاڑ دے۔ شاہ صاحب کا آج سے ۲۰، ۲۵ سال کا پہلے کا زمانہ ہوتا تو شاید اس جیسی سردی کو آسانی سے سہہ جاتے بلکہ پرواہ تک نہ ہوتی مگر اب وہ دور اور وہ شباب کہاں ـــــــ ؟ ـــــ

جھوٹ ہے سب، تاریخ ہمیشہ اپنے کو دہراتی ہے ؛ اچھا میرا خوابِ جوانی تھوڑا سا دہرائے تو

شاہ صاحب قبلہ خوب سردی زدہ ہو چکے تھے نزلے کے ساتھ بخار بھی تھا۔ اس کیفیت کا جو اثر نمایاں تھا اس سے میں ایک لمحہ کے لئے مسحور سا ہوگیا اور ماضی کی دو شخصیات میرے سامنے یوں آ گئیں کہ گویا میں ان میں تماثل وتشابہ ڈھونڈنے لگا۔ حالانکہ اس کا کوئی موقع نہ تھا۔ ان میں ایک شخص تو وہ تھا جسے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے نام سے دنیا جانتی ہے جسے ہم سب سے زیادہ اپنے والد ماجد حضرت سید فضل الرحمٰن احرار مدظلہ، کی عقیدت کی نسبت سے جانتے ہیں ہم نے جب بھی دیکھا کہ شاہ صاحب کا ذکر کسی طرح بھی اباجی کے سامنے آیا تو عاشقانہ جوش غالب آ گیا۔ ایسے لگتا کہ ایمان ـــــــ کسی بہت بلند وقوی ولولے سے تازہ ہوگیا وہ عطاء اللہ شاہ جس کی ایک للکار نے پوری انگریز حکومت کو نہ صرف ہندوستان سے پاؤں اکھاڑ دیئے اور وہاں سے اُسے اپنے بل میں لوٹ آنے پر مجبور کر دیا بلکہ دوسرے ملکوں پر ناجائز قبضہ جمانے کے انجام سے یوں آگاہ کیا کہ انگریز نے جہاں کہیں اسکی حکومت تھی وہاں سے اُلٹے پاؤں بھاگنے میں اپنی خیریت سمجھی اور سمٹ کر برطانیہ کی سرزمین

کو اپنی آماجگاہ بنانے پر اکتفا کر لیا۔ اس میں بھی کس طرح یہ قوم اپنی ذہانت کو کام میں لائی اور کس طرح یہاں بیٹھ کر آجتک دنیا کا خون چوسا جا رہا ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے اور ایک الگ حقیقت بھی۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ پھر کسی کے گھر کو جبراً بندوق کی نالی سے اپنا گھر کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ہاں لوگوں کو خریدنے اور بیچنے کے کاروبار میں بہت اعلیٰ مدارج پر ترقی کی اور اسی راستے آج بھی دنیا کے ایک بڑے حصہ میں اپنا اثر و رسوخ باقی رکھنے میں کامیاب ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جسے ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری کہتے ہیں اور جس نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ۱۹٦۵ء میں ربوہ میں نعرۂ ختم نبوۃ کی صدا کچھ اس ایمان و یقین کے ساتھ بلند کی کہ ربوہ کی سرزمین سے انگریز کی اولاد، اُمّتِ مرزائیہ کا قبضہ ہمیشہ کے لئے اُٹھ گیا بلکہ وہ ایسے اُکھڑے کہ پھر ربوہ تو کیا پاکستان کو بھی اپنے ملک کی حیثیت سے اپنانے کی جرأت نہ پا سکے اور فرار ہو کر اپنے اصلی مرکز برطانیہ میں پناہ گزیں ہو گئے۔

بحمد اللہ ایک دو روز بعد شاہ صاحب بھلے چنگے ہو گئے۔ طبیعت بھی بحال ہوئی۔ احباب کا سلسلہ آمد و رفت شروع ہو گیا۔ جب ہم ہفتہ کے روز شاہ صاحب کو ڈنکا سٹر لائے تو یہاں آتے ہی ایک اور زیادتی ہوئی کہ کسی نے بھی شاہ صاحب کی طبیعت کی ناسازی کی پرواہ نہ کی اور عشاء کے بعد تھوڑے سے بیان کے لئے منوا لیا۔ پھر جملہ احباب نے مل کر شاہ صاحب کے ساتھ کھانا کھایا۔ جس کا پہلے سے پورا انتظام تھا۔ اور پھر رات گئے تک مجلس رہی۔ نئی پرانی باتوں سے محفل کا رنگ جما رہا۔ سلیم صاحب اور قبلہ شاہ صاحب کے نہلے پہ دہلے لطائف نے ہر فرد کو حظ کا نشہ چڑھائے رکھا لیکن شاہ صاحب نے ہر تکلف کو دور کرتے ہوئے اپنی ملالت کے دباؤ کا اظہار کیا تو مجلس فوراً برخواست کر دی گئی اور شاہ صاحب اپنے کمرۂ استراحت میں تشریف لے گئے۔ راقم الحروف نے شاہ صاحب کو دوا پلائی پہلی خوراک کا اثر یہ ہوا کہ اندر کی تمام بیماری پوری طرح کھل کر باہر آگئی صبح کو بخار بھی شدید تھا —— اور نزلہ، زکام اور کھانسی بھی زوروں پر۔ صبح اُٹھتے ہی پہلی بات یہ طے ہوئی کہ جبتک شاہ صاحب مکمل طور سے تندرست نہیں ہو جاتے ڈنکا سٹر سے باہر نہیں جائیں گے۔ اور ہم انتہائی مشکور ہوئے کہ شاہ صاحب نے یہ ہمارا یکطرفہ فیصلہ اپنی عادت سے ہٹ کر اور کسی کو بھی ڈانٹ پلائے بغیر تسلیم کر لیا۔ پورے دس دن کے بعد شاہ صاحب کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو سفر کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اس پورے عرصہ میں کبھی کبھار دن کو بھی چند دوست آجاتے ورنہ اکثر

شام کو شاہ صاحب کے خاص محبین جن میں سلیم صاحب کا نام سر فہرست ہے ۔ جمع ہو کر محفل کو دلنشیں بنا دیتے بدقسمتی سے چونکہ ہمارے حلقۂ احباب میں پاکستان ویلفیئر ایسوسی ایشن ——— میں اختلاف کی وجہ سے دھڑے بندی ہوگئی ہے۔ اس لئے ۱۹۸۵ء دالارنگ دیکھنے میں نہ آسکا۔ پوری کوشش کے باوجود یہ بات پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی کہ حضرت شاہ صاحب کی اپنائیت اور ہر دل عزیزی کے باوجود آپکی موجودگی سے کم از کم یہی فائدہ اُٹھالیں کہ پھر سے ایک مجلس میں بیٹھنے کی سعادت پالیں۔ بہر حال ہر حلقہ پورے تپاک سے اپنی حاضری لگواتا رہا ۔ مسجد میں خوب دعوتوں کا اہتمام رہا ۔ ایک یا دو کے علاوہ گھروں میں دعوت سے معذرت کر دی گئی اور علالت کے سبب کسی نے اسے ناگوار بھی نہ سمجھا ۔ بلکہ پورا سامان مسجد میں لے آتے رہے ۔ اسطرح تقریباً ہر شام اچھی خاصی رونق ہو جاتی اور سلسلہ گفتگو خوب سے خوب تر چل نکلتا۔ ایک شام کو بیٹھے ہوئے برطانوی ماحول میں بچوں کے اس قدر زبوں حال اور اخلاقیات و روایات سے باغی ہونے کے اسباب پر بات چل نکلی جس میں ہمارے محترم غیاث بھٹی صاحب نے ایک بڑی حقیقت کی طرف سب کو دعوتِ فکر دی ۔ انہوں نے کہا کہ والدین ، تعلیمی ادارے اور مذہبی قیادت پر تو بے دریغ الزام دیدیا جاتا ہے ۔ لیکن اس طرف نظر نہیں دوڑاتی کہ اس کے پیچھے حکومتِ برطانیہ کا پورا نظام عامل و داخل ہے ۔ جس میں سب سے مؤثر کردار ان کے سوشل سیکورٹی سسٹم کا ہے جس کے تحت بعض ذیلی ادارے بچوں کو والدین کے مقابلے میں پورا پورا تحفظ دیتے ہیں ۔ والدین کو اُلٹا ڈرایا دھمکایا جاتا ہے ۔ مذہبی استاد اور ہمارے کلچر کے خلاف انہیں اُبھارا جاتا ہے ۔ اگر کبھی والدین نے ان کے اس ستم کے خلاف احتجاج کیا بھی ہے تو نتیجہ بچوں کو مکمل طور پر کھو دینے کی شکل میں نکلا ۔ اور سرکاری اداروں نے بچوں کے حق میں اور والدین کے خلاف کاروائی کی ۔ بچوں کے مکمل اخراجات ، رہائش ، خوراک ، لباس وغیرہ مہیا کرا دئے ۔ اور بچوں کو ان کے اس اقدام پر شاباش بھی بڑھ چڑھ کر دی تاکہ یہ آوارگی میں اور پختہ ہوں اور اپنے معاشرے سے بغاوت ان کے ریشے ریشے میں رچ بس جائے ۔ اس موضوع پر طویل تبادلۂ خیال جاری رہا ۔ جب کافی رات بیت گئی تو جملہ احباب اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے اور شاہ صاحب اپنے کمرۂ استراحت میں چلے آئے ۔ غالباً اگلی ہی صبح یہاں ڈنکاسٹر کی بڑی جیل کا بڑا پادری (Chaplain) ملنے آگیا ۔ جیل میں مسلمان قیدیوں کے مسائل کے سلسلہ میں کمیونٹی کی نمائندگی کے طور پر ہوم آفس کی طرف

سے راقم کی تقرری ہوئی ہے گزشتہ چار سال سے میں مسلم قیدیوں کی جملہ مشکلات کے حل کے لئے کام کر رہا ہوں ——— جہاں ان پادری صاحب سے میرا ہر موقع پر واسطہ پڑتا ہے۔ بلکہ بہت سے مسائل میں ہم مشترکہ کوشش کرتے ہیں۔ جیل میں جتنے پروگرام ہوں، ان میں ہمیں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح آنے والے ایک اہم پروگرام کی تشکیل کے سلسلہ میں پیٹر مجھ سے مشورہ کرنے آیا تھا کہ حضرت شاہ صاحب کی مجلس اور گفتگو میں اسطرح محو ہوا کہ گھنٹوں بیٹھا رہا۔ اور پھر برطانیہ اور آئرلینڈ کی تاریخ اور انگریزوں کے بَجا برانہ کردار پر اس نے پچھلی آٹھ سو سالہ تاریخ کھول ڈالی۔ جس کے بعد شاہ صاحب نے اس سے اپنے رسالہ نقیب ختم نبوۃ "کے لئے" انہی تاریخی واقعات وحقائق پر مشتمل ایک مضمون مانگا تو اس نے وعدہ کر لیا کہ میں یہ مضمون فروری کے آخر تک پورا کر کے بھیج دوں گا۔ اور مجھے معلوم ہے کہ وہ اسکی تیاری میں پوری طرح لگا ہوا ہے۔ مضمون کے اس وعدہ کے ساتھ پیٹر نے اجازت چاہی اور چلا گیا۔ غالباً سولہ دسمبر ۱۹۸۹ء بروز ہفتہ شاہ صاحب نے اپنے آپکو سفر کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ اور اسی روز شام کو شاہ صاحب کے عقیدت مند جناب مسعود مفتی صاحب نے اپنے گھر پہ شام کے کھانے پر مدعو کیا ہوا تھا۔ رات گئے تک مفتی صاحب کے گھر مجلس رہی اور سرسری طور پر کئی موضوعات زیرِ بحث آئے مگر اہم نقطہ گفتگو یہاں کے احباب کا اختلاف اور اس کے خاتمہ کے اقدامات رہا۔ شاہ صاحب نے بڑی صفائی کے ساتھ فرمادیا کہ میں آپکے مقامی جھگڑے میں دخل دینے سے معذور ہوں اتنا کہنے پر اکتفا کروں گا کہ جو کام کرو اور جو ذمہ داری اٹھاؤ اس میں دیانت وخلوص سے آگے آؤ گے تو اللہ کی مدد ضرور شامل حال ہوگی۔ اگر محض ذاتی بخت آزمائی ہے اور مقصد صرف طاقت کا مظاہرہ ہے تو یقین کرلیں کہ اس صورت میں نصرتِ الٰہی کا حصول ممکن نہیں۔ رات کافی گزر چکی تھی کہ مجلس برخاست کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اور راقم الحروف شاہ صاحب کو لے کر مسجد واپس آگیا صبح اُٹھ کر فیصلہ ہوا کہ آج بروز اتوار ۱۷ دسمبر کو رات اسلامک اکیڈمی مانچسٹر میں جاکر حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب کے یہاں ٹھہریں ان سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور علامہ خالد محمود صاحب کا یہ عظیم ادارہ بھی تفصیل سے دیکھ لیں گے۔ ابھی یہ پروگرام زیرِ غور تھا کہ ہڈرسفیلڈ سے سید خالد مسعود گیلانی کی معیت میں چند احباب ملنے آگئے ان سے بھی مشورہ ہو گیا اور فون پر حافظ اقبال صاحب کو پروگرام بتا دیا گیا۔ انہوں نے کہا تشریف لے آئیں میں انتظار کروں گا۔ رات کو ہم ہڈرسفیلڈ کے راستے وہاں تھوڑی دیر رک کر مانچسٹر

چلے گئے ۔ حافظ صاحب سے ملے ———— ادارہ دیکھا ۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں نے آرام کا
انتظام اپنے ایک گھر میں کیا ہے جو خالی ہے اور ہم انکی رہبری میں کار چلاتے ہوئے آرام گاہ تک پہنچے ۔
رات گزاری گئی ۔ صبح حافظ صاحب ناشتہ کے لئے لینے آئے تو میں نے پوچھا کہ اگر مانچسٹر سے اس وقت
ڈائریکٹ ٹرین گلاسگو کے لئے نہیں مل رہی تو قریب میں کوئی جنکشن ہو تو بتائیں، میں شاہ صاحب کو خود
جا کر وہاں سے روانہ کر آؤں گا ورنہ سارا دن یہاں گزارنا شاہ جی کے لئے مشکل بلکہ بہت بوریت کا سبب ہوگا
کیونکہ حافظ صاحب صاحب نے بھی کہیں جانا تھا وہ دن میں شاہ صاحب کے ساتھ زیادہ وقت نہ گزار سکتے
اور میں نے بھی اپنی ایک مزدوری کے لئے پہلے سے طے شدہ میٹنگ میں جانا تھا اور گیارہ سے تین بجے تک میں بھی
مصروف تھا ۔ حافظ اقبال صاحب نے پورے وثوق اور ضبط کے ساتھ فرمایا کہ یہاں سے صرف ۲۰ - ۲۵ منٹ
کا سفر ہے آپ پرسٹن (Preston) تشریف لے جائیں ۔ وہاں سے ہر چند منٹ بعد گلاسگو کی ڈائریکٹ
ٹرین مل جائے گی ۔ ہم نے ۲۰ - ۲۵ منٹ کا سن کر اور دیکھا نہ تاؤ بھاگم بھاگ موٹر وے پر پہنچ گئے کہ
شاید موٹر وے کی وجہ سے ہم ۲۰ کی بجائے ۱۵ منٹ میں وہاں پہنچ جائیں ۔ بس پھر تو قدرتِ الٰہی کا کچھ یوں مشاہدہ
ہوتا گیا کہ گاڑی جتنی تیز چلائیے ، راہ اتنی طویل ہو ۔ ۲۵ سے ۱۵ منٹ میں طے ہونے کی اُمید والا راستہ
پونے دو گھنٹے میں ختم ہوا اور ہم اپنے محترم محسن کی معلومات پر صاد کرتے اور تحسین مزید کے حصول کی دعائیں
دیتے پرسٹن ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئے ۔ وہاں سے میں نے واپسی کی اجازت چاہی اور اپنے پروگرام میں شریک
ہوگیا ۔ شام کو گلاسگو فون کیا تو شاہ صاحب کی بخیر و عافیت وہاں پہنچنے کی اطلاع پا کر اطمینان حاصل کیا ۔ وہاں
سے پھر شاہ صاحب کی مصروفیات اتنی بڑھیں کہ ڈنکاسٹر کے حصہ میں صرف آخری روز کا معمول قیام آیا جس کے
بعد میں اپنے ساتھی صوفی محمد شریف صاحب کے ہمراہ شاہ صاحب اور عزیزی بھائی کو چھوڑنے لندن گیا ، اور پھر شاہ صاحب
اور عزیزی سید خالد مسعود گیلانی پاکستان کو روانہ ہو گئے ۔ پاکستان میں حضرت شاہ صاحب اور آپ کے رفقاء کار
بیشک عظیم کارنامے انجام دے رہے ہیں ۔ اس بغاوت و بے دینی کے دور میں کسی ایک بچے کو دین پڑھا دینا
بہت بڑی بات ہے چہ جائیکہ مدارس چلانا اور پھر ان میں طلباء کی کثیر جماعت کا پڑھنا دین کی حقانیت کا ثبوت
اور ایک معجزہ ہے ۔ مگر میرے ذہن میں اپنے بزرگوں کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک التجا مچلتی رہتی ہے
جسے کہنے کا موقع نہیں ملتا ۔ وہ یہ کہ آجکل دین پڑھانا بہت مبارک ، کیا اتنا بہت پڑھنے سے وہ دیندار نہ

بھی ہو جاتے ہیں ؟ ہم تو آج بڑے بڑے شہبازِ علم اور تلمذرانِ معرفت کو دین بناتے اور دین پڑھاتے دیکھتے ہیں مگر ان کی اپنی زندگی میں دین اِتنا بھی نہیں ہوتا کہ جتنا بہت سے غیر مسلموں میں ان کے اپنے عقائد و یقین والے اصولوں کا احترام اور انکی پابندی دیکھنے میں آئی ہے۔ کیا یہ بات قابلِ غور نہیں ہے ؟ کیا اسکی بُنیاد میں کوئی بہت بڑی کمزوری تو نہیں جسے دور کرنا ضروری ہے ۔! ہمارا طرزِ تعلیم، ہمارا طریقِ تربیت، ہماری معاشرت اور ہماری معیشت ان تمام چیزوں کا نئی نسل کی نشو و نما اور انکی تعمیر میں پورا دخل ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہم اپنے سابقہ ڈیڑھ، دو سو سالہ "نظام" کو سینے سے لگائے رکھیں۔ کیا اُس دَور کے بزرگوں نے اُس وقت کے حالات کے پیشِ نظر سارا ڈھانچہ نیا ترتیب نہیں دیا تھا۔ تو آج کے حالات اور اِس دَور کی ضرورت کے تحت اگر اِس نظام میں کچھ ترمیم ہو جائے تو اِس سے اکابر کی روایت سے بغاوت کیوں کر ہونے لگی ۔ آج اگر ہم بچوں کو موجودہ دَور کے ہر چیلنج کے لئے تیار نہیں کریں گے اور پھر ان میں دین کا ایسا شعور نہیں دیں گے کہ وہ جس جگہ بیٹھیں یا جس راہ سے گزریں ان کے دِل میں کوئی کشش نہ ہو ان کے پاؤں میں کوئی لڑکھڑاہٹ نہ آئے ۔ وہ جہاں سے گزریں مومن بن کے مردانہ وار گزریں اور وہاں اپنا اثر چھوڑ کر جائیں ۔ یہ علم اور عمل کی قوت سے ہو سکتا ہے محض وظائف و کرامات سے نہیں۔ لیکن علم وہ جو ہر چیلنج کا نہ صرف سامنا کر سکتا ہو بلکہ اس کا جواب ایسے مؤثر و مدلّل انداز سے دے سکے کہ سامع یا مدافع اس سے لاجواب بھی ہو اور متاثر بھی ۔ اِسی قوت و صلاحیت کے خلا کا نتیجہ ہے کہ آج ہر رُخ پر زمامِ قیادت جہلاءُ سفلاء کے ہاتھ میں ہے —— اور علماء و صلحاء صرف ان کے حاشیہ بردار ہو کے رہ گئے یا صرف نمائشی بغاوت ان حضرات کا جہاد بن گیا وہ بھی اتنا کمزور کہ مظاہروں، احتجاجی جلوسوں سے آگے بات نہیں پہنچ پائی۔ اِس لئے آج ایسے اداروں کی ضرورت ہے جو ہمارے نوجوانوں کو مستقبل کا صحیح اور کامل معمار بنائیں نہ کہ صرف چند ظاہری علامات کا پابند ہو جانے پر ہم اُسے ہر طرح کی اہلیت کا پروانہ سونپ دیں۔ آج ہمیں صاحبِ علم باشعور مجاھدین کی ضرورت ہے اور بس —— بالکل شاہ جی ایسے قائدینِ جرّار اور ان ہمراہیوں سے مردانِ احرار کی ضرورت ہے ۔

تلہ گنگ
ملک محمد اشفاق

اسلام کا مقصد مخلوق کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر صرف اللہ کا فرمانبردار بندہ بنانا ہے:

سید عطاء المومن بخاری مدظلہ، کا تلہ گنگ میں مختلف اجتماعات سے خطاب

عالمی مجلس احرار اسلام کے مرکزی نائب صدر ابن امیر شریعت سید عطاء المومن بخاری مدظلہ، سالانہ تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں یہاں تشریف لائے۔ اس موقع پر آپ نے مجلس احرار اسلام کی ذیلی شاخوں کے زیر اہتمام منعقدہ اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ مقامی جماعتوں کی رکنیت سازی مہم کا افتتاح کیا اور ضلع میانوالی اور ضلع چکوال کے جماعتی اجلاسوں میں شرکت و صدارت فرمائی۔

اس دورے میں چکڑالہ، ڈھرنال، پیڑھ فتحیال، بکھ کھوٹ، لاوہ اور تلہ گنگ میں جلسے منعقد ہوئے آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"دین ابتداء سے انتہاء تک قربانی و ایثار کا نام ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس لئے کامیاب ہوئے کہ انہوں نے اطاعتِ خدا و رسول میں ہر شکل و آزمائش قبول کی اور قربانی و ایثار کی انمٹ داستان تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثبت کر دی۔ تبھی تو اللہ رب العزت نے رہتی دنیا تک آنیوالے انسانوں کے لئے اصحاب رسولؐ جیسا ایمان لانے کا معیار اور کسوٹی مقرر فرمائی۔ کیونکہ یاران نبی ہی گواہان رسالتؐ ہیں۔ انہی سے ایمان و ایقان کی جنس بے بہا ہمیں پہنچی ہے۔ اگر ان پر اعتماد اٹھ جائے تو دین کی صداقت کا تصور بھی محال ہو جاتا ہے۔

تحفظ ناموس صحابہؓ اس لئے ضروری ہے کہ ایمان کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ آپ نے مسلمان بھائیوں سے زور دیکر کہ صحابہ کرام کی یادوں کو اپنے گھروں میں بچوں کے نام اصحاب رسولؐ کی نسبت سے رکھ کر ہی آباد کیا جا سکتا ہے۔

آپ نے موجودہ اَبتر صورتِ حال کے بارے میں کہا کہ ملک کے ذرائع ابلاغ کے ذریعے عریانی و فحاشی کو فروغ دیا جا رہا ہے، جس کی بدولت دین سے دوری اور خدا و رسول اور اصحابِ رسولؐ پر اعتماد کی فضا ختم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ حکومت اپنے تحفظ کے لئے تو سب کچھ کر رہی ہے اُس کا یہ فریضہ ہے کہ دین کے تحفظ کے لئے بھی دینی اقدار کا احیاء کرے۔ قول و فعل کا تضاد ہمارے نام نہاد قائدین کی زندگیوں میں پوری طرح گھر کر چکا ہے، جبکہ ہمارے آقاؐ کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کی صورت میں موجود ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جب لڑائی کا وقت آتا ہے تو خود زرہ پہن کر میدان میں نکلتے ہیں، تب دوسروں کو جنگ کی ترغیب دیتے ہیں، لیکن آج کے لیڈروں کی روش یہ ہے کہ گھر میں وڈیو فلم چل رہی ہے اور صبح اخبار میں بیان آجاتا ہے کہ "عوام کشمیر کو فتح کریں۔" ——————

آپ نے مجلس احرار کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مجلسِ احرارِ اسلام کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ مخلوق کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر صرف اللہ کا فرمانبردار بندہ بنایا جائے۔ ہماری جماعت اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات تسلیم کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر پاکیزہ و اعلیٰ نظام کوئی گروہ یا مفکر پیش نہیں کر سکا۔ یہ نظام اپنے ماننے والوں کو اُلجھن میں نہیں ڈالتا، بلکہ جب کبھی انہیں کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اسلام رہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی نظام پانی پینے کے طریقے سے لے کر خلافت تک کے مسائل میں اپنی رہنمائی پیش کرتا ہے وہ علماء اور سکالرز جو یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ہم اسلام کو نظامِ حیات مانتے ہیں، لیکن سیاسی مواقع پر جمہوریت کا سہارا لیتے ہیں، ان کو دوروَیہ چال ترک کر دینی چاہیئے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام سے ہدایت حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ اسلام کے سوا کوئی نظامِ حکومت فطری نظامِ حکومت نہیں بلکہ انسانوں کا بنایا ہوا نظام ہے جبکہ اسلام کے نظام کی بنیاد احکامِ خدا و رسول پر استوار ہے۔

تلہ گنگ میں چوبیسویں سالانہ "یومِ معاویہؓ" سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کلام اللہ کے مطابق تمام صحابہؓ عادل و راشد ہیں۔ قرآن کریم تمام صحابہ کو رضی اللہ عنہم کہہ کر نویدِ بشارت دیتا ہے۔ صحابیؓ ہونے کے ناطے تمام اصحابؓ اس میں شامل ہیں، سب صحابہ برحق ہیں۔ صحابہؓ کے دل پاک اور باطن صاف تھے۔ اللہ نے انہیں رسول کی صحبت اور دین کی نصرت کے لئے چُن لیا۔ اُن کے دل میں یہ نورانی کیفیت پیدا ہوئی کہ جب تک اعمالِ صالحہ نہ کر لیتے انہیں چین نہ آتا۔

صحابہؓ کا دفاع ہم پر واجب نہیں بلکہ فرض ہے۔ جب تک زندہ ہیں کرتے رہیں گے۔ میری تو ایک ہی

تمنا ہے کہ راہِ صحابہؓ میں مارا جاؤں کہ اس سے بڑھ کر زندگی کا لطف ہی نہیں ہے۔ خطیب بغدادیؒ کے بقول "اگر کسی کو صحابہؓ پر تنقید کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، کیونکہ ہمارا رسولؐ اور قرآن حق ہے۔ جو صحابہؓ کے ذریعہ محفوظ ہے اور صحابہ پر تنقید کے نشتر چلانے والوں پر تنقید کرو"

صحابیؓ رسولؐ کے سامنے ڈھال بن جاؤ۔ تاکہ کوئی گالی اور بکواس اُن تک نہ پہنچے۔ جو جتنی گالیاں ہمیں دے سکتا ہے دے لے۔ انشاء اللہ اسکی بدولت ہماری قبر روشن ہوگی کہ ہمیں یہ گالیاں دفاعِ صحابہؓ کے صلہ میں ملی ہیں۔ دین بتاتا ہے کہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی۔ دین محفوظ رہے گا۔ دین ہی تو بچانے کی چیز ہے ——— ہم پر صرف چار صحابہؓ کا دفاع کرنا فرض نہیں ہے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی اللہ اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انعام و اکرام اور ——— بشارتوں سے عبارت ہے اُن کیلئے زبانِ مصطفیٰؐ سے ھادی و مہدی امین اور خلیفہ راشد ہونے کی پیشین گوئی فرمائی گئی۔ سیدنا معاویہؓ حضرت علی المرتضیٰؓ سے تو درجہ صحابیت میں ادنیٰ ہیں لیکن موجودہ صدی کے کسی بڑے سے ہرگز نہیں چاہے وہ علم و عمل، تقویٰ و طہارت میں کتنا ہی قد آور ہو۔

آپ نے فرمایا کہ موجودہ دور میں اکابر علماء کا دفاع کرنے والوں کو اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ اکابر و اسلاف کو بچاتے بچاتے کسی صحابیؓ کی توہین کے مرتکب تو نہیں ہو رہے ہم تمام بزرگوں کا احترام کرتے ہیں۔ لیکن اگر بزرگوں سے ایسی بات ثابت ہو جائے جس سے کسی بھی صحابیؓ کی اہانت کا پہلو نکلتا ہو تو ہم اس بزرگ کو صحابیؓ رسولؐ کے جوتے کی نوک پر قربان کریں گے۔ نبیؐ کا دین کسی کی بزرگی، تقویٰ اور صالحیت سے بندھا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا ایمان رازدارانِ نبوت کے جوتے کے تسمے سے بندھا ہوا ہے۔ اگر کسی صحابیؓ پر شک کا معاملہ دِل میں بال برابر بھی آگیا تو دین سے تعلق ختم ہو کر رہ جائے گا ——— آج دشمن کا انداز بدل چکا ہے۔ اُمتِ روافض سب سے پہلے سیدنا معاویہؓ پر تنقید کر کے باقی تمام صحابہ کو نشانۂ سب و شتم بناتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ سیدنا معاویہؓ کی ذات پر اپنوں پرایوں کے گرد و غبار کو صاف کیا جائے۔ اور ہر صحابیؓ کو اکابر یا اپنی نظر سے دیکھنے کی بجائے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ اللہ پاک ہمیں صحابہؓ کے بارے میں حَکَم بننے سے بچائے اور اُن کے اختیار کردہ راستے پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین!

یوم معاویہؓ کی نظامت کے فرائض حاجی رفیق غلام ربانی صدر مجلس احرار تلہ گنگ نے ادا کیے۔

اور صدارت حاجی ملک محمد صدیق صاحب نے کی جبکہ مولانا ابو ذر اور مولانا محمد مغیرہ نے فضائل و مناقب سیدنا معاویہؓ بیان کیے ۔ علاوہ ازیں چکوال شہر سے مجلس احرار کے وفد نے خصوصی شرکت کی ۔

اجتماعات کے انعقاد میں مولانا حاجی غلام محی الدین، کپتان غلام محمد، ڈاکٹر ہادی بخش اعوان، صوفی ابو معاویہ عبدالرحیم، صوفی عبدالرحمان، حافظ اللہ یار، ملک شبیر خان، ملک محمد ظفر اور حاجی غلام ربانی نے داعی کی حیثیت سے اس ہفت روزہ پروگرام کو کامیاب بنانے میں خصوصی تعاون فرمایا ۔

پروگرام کے آخری روز قائد محترم کی زیر صدارت میانوالی اور چکوال کے اضلاع سے مجلس احرار کے پرانے اور نئے ساتھیوں کا ایک بڑا اجتماع ضلعی دفتر احرار مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ تلہ گنگ میں منعقد ہوا ۔ نشست کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا ۔ مولانا محمد مغیرہ مرکزی مبلغ احرار نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا ۔ قائدِ محترم نے خطبۂ مسنونہ کے بعد فارم رکنیت و معاونت سے حلف نامہ پڑھا اور حاضرین نے اسے دُھرایا ۔ فارم کی تکمیل کے بعد قائدِ محترم نے تمام ساتھیوں کو احرار میں شمولیت پر مبارک باد دی اور اُن کی استقامت کی دُعا کی ۔ یاد رہے کہ علاقہ بھر سے تعلیم یافتہ افراد کے علاوہ مزدور، کسان طبقوں سے تعلق رکھنے والے مخلص افراد کی کثیر تعداد نے احرار میں شمولیت کا اعلان کیا اور اپنی تمام تر قوت سے احرار کے پیغام کو ملک کے کونے کونے میں پھیلانے کا عزم کیا ———

مسلکِ حنفیہ اہلِ سُنّت والجماعت کی عظیم دینی درسگاہ !

مدرسۃ العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

بخاری نگر ـــ گڑھا موڑ ـــ ضلع وہاڑی

بانی :- ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

● بیس سال سے علاقہ میں معیاری تعلیمی، تبلیغی اور تعمیری جدوجہد میں سرگرم عمل ہے ● پانچ سال سے شعبۂ خواتین "مدرسۃ البنات" کے نام سے سرگرم عمل ہے جس میں دو معلمات مستقل تدریس میں مصروف ہیں ۔

● مدرسہ سے قریباً پانچ سو طلباء و طالبات حفظِ قرآنِ کریم کی دولت سے مالا مال ہو کر تدریس و تبلیغ میں مصروف ہیں

● جامع مسجد اور مدرسہ کی تعمیر جاری ہے ۔ اہلِ خیر توجہ فرمائیں ،

محمد اسحٰق سلیمی مہتمم مدرسۃ العلوم الاسلامیہ" بخاری نگر، گڑھا موڑ تحصیل میلسی ضلع وہاڑی : فون نمبر: ۱۳

رحیم یار خان
نمائندہ خصوصی

امن و امان کا مسئلہ = ذمّہ دار کون؟

ناموسِ صحابہؓ مولانا حق نواز جھنگوی شہید کی المناک شہادت کے موقع پر دوسرے شہروں کی طرح رحیم یار خان میں بھی پُر امن احتجاجی مظاہرے اور جلسے منعقد کئے گئے۔ ان اجتماعات میں ضلعی امن کمیٹی کے اراکین نائب علامہ عبدالرؤف ربانی اور دیگر علماء کرام نے بھی شرکت کی۔ ایک جلسۂ عام میں عوام نے ان حضرات سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ موجودہ ڈی سی، ضلع رحیم خان چونکہ مسلکاً رافضی ہے اس لئے اس کے زیرِ صدارت منعقد ہونے والے اجلاس میں شرکت نہ کریں۔ اس لئے کہ یہ عمل پاکستان میں رائج جمہوری نظام کے اصول کے خلاف ہے کہ اکثریت اہلِ سنۃ افراد کی ہو اور کرسیٔ صدارت پر رافضی متمکن ہو۔ اس وقت ان لوگوں نے عوام کے اس جمہوری مطالبہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن کئی دِنوں کے بعد جب امن کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا تو جناب قاری حماد اللہ صاحب نے رافضی ڈی سی کے زیرِ صدارت منعقد ہونے والے اجلاس میں شرکت کی۔ اور اہلِ سنت اور روافض کے درمیان ایک ضابطۂ اخلاق مرتب کیا گیا ضابطہ میں اگرچہ کئی نقائص ہیں۔ لیکن نُمایاں نقص یہ ہے کہ اس میں اہلِ سُنۃ کے تمام تر حقوق کی پامالی کی گئی ہے۔ عوام کے سابقہ مطالبہ کے پیشِ نظر بلا تردّد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈی سی۔ کے دربار میں کورنش بجا لانے والے حاضر باشش تمام مولوی ہرگز ہرگز اہلِ سنۃ کے نمائندے ہیں اور نہ ہی انہیں اہلِ سنۃ کے حقوق کی ترجمانی کرنے کا حق حاصل ہے۔ مزید تعجب انگیز اور مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ڈی۔ سی صاحب کو یہ پُر امن احتجاجی مظاہرے شرپسند عناصر کی تخریب کاری نظر آتے ہیں اور یہ درباری حضرات بھی آج اہلِ سنۃ کے ان جذبات کو تخریب کاری سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ ان ہی مولویوں نے ان جلوسوں کی قیادت کی تھی اور جلسۂ عام میں انہی علامہ عبدالرؤف ربآنی صاحب نے ڈی سی کے تبادلہ کا مطالبہ کیا تھا اور ساتھ ہی ڈی سی پر ایک سکول کے سامان کے خورد بُرد کرنے کا الزام عائد کیا تھا۔

لیکن آج وہی ڈی سی صاحب ہے اور یہی مولوی حضرات اسکی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں۔ مولوی صاحبان کے متضاد عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پسِ پردہ کوئی ایسی قوۃ جاذبہ موجود ہے کہ جس کی کشش نے ان متضاد عوامل

کو ایک ہی مرکزِ ثقل پر مجتمع کر لیا ہے اور مذہبی رہنماؤں سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ باہر سے آنے والے مبلغین کو مقامی علماء اس بات پر مجبور کریں گے کہ وہ فرقہ ورانہ اور منافرۃ انگیز تقریر کرنے سے اجتناب کریں ۔ اگر وہ لوگ مقامی حضرات کے اس مطالبہ کے خلاف تقریر کریں گے تو ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی اللہ مقامی حضرات کا تعاون بھی انتظامیہ کے ساتھ ہوگا ۔ ڈی ۔ سی صاحب کی خوردبین نگاہ نے اس تخریب کاری کے مضرت رساں اثرات کو جلد ہی محسوس کر لیا ہے ۔ اور یہ درست ہے کہ ہر باشعور شخص پُرامن فضا کو نظرِ استحسان سے دیکھتا ہے ۔ لیکن شہری آبادی دیہاتی علاقہ اور عام شاہراہوں پر جو تخریب کاری ہو رہی ہے اور آئے دن قزاقوں اور سرقہ پیشہ افراد کی ستم کاریوں سے عوام جس طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ھیں ۔ یہ تخریب کاری ڈی ۔ سی صاحب اور امن کمیٹی کے اراکین کی نگاہ سے کیوں اوجھل ہے اور علاقہ کے زمینداروں ، یونین کونسلوں کے چیئرمینوں اور عوام کے منتخب ممبروں ۔ ایم ۔ پی ۔ اے اور ایم ۔ این ۔ اے حضرات سے یہ مطالبہ کیوں نہیں کیا جاتا کہ وہ علاقہ کے امن و امان کے ذمہ دار ہیں اور اس تخریب کاری میں ان سے جواب طلبی کیوں نہیں کی جاتی ۔ حالانکہ دیہاتی آبادی میں عام مشاہدہ یہ ہے کہ سرقہ پیشہ افراد عموماً زمینداروں اور نمبرداروں کے ڈیروں پر مہمان ہوتے ہیں جبتک اس طرح کا عمل احتساب بروئے کار نہیں لایا جائے گا ۔ اس وقت تک پُرامن فضاء کا تصور ہی ناممکن ہے

بقیہ از ص ۔

سونپ سکتے ۔

میں نے آٹھ سال قبل چٹان میں جج محمد اکبر خان مرحوم کا سوانحی خاکہ لکھا تھا جنہوں نے سابق ریاست بہاولپور ۱۹۲۵ء کے دور میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخی فیصلہ سنایا تھا ۔ میں علماء دیوبند کے مسلک سے تعلق رکھتا ہوں ۔ امید ہے کہ صحافتی تقاضوں کے پیشِ نظر میرے جواب کو شائع فرمائیں گے ۔ آپ کی تسلی کے لئے حلف نامہ پر دستخط کر دیئے ھیں ۔

۱ ۔ میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ میرا قادیانی یا لاہوری مرزائیوں سے کوئی تعلق نہیں ۔

۲ ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ھیں ان کے بعد کوئی نبی آیا ہے نہ آئندہ آئے گا ۔

۳ ۔ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب ، دجال ، کافر و مرتد ، دھوکے باز اور جھوٹا مدعی نبوت تھا ۔

۴ ۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مصلح ، مجدد ، مسیح موعود یا شریف آدمی ماننے والے کافر و مرتد ھیں ۔

دستخط :

12-3-93 12-3-93

حضرت مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ کا پیغام

احرار دوستوں کے نام!

"حضرت مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ مجلس احرار اسلام کے اُن ایثار پیشہ رہنماؤں میں سے ہیں جنہوں نے ۱۹۳۴ء میں قادیان میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے زبردست جدوجہد کی، وہ قادیان میں مجلس احرار اسلام کے مرکز میں بطور مبلّغ و نگران تعینات رہے۔ مولانا عمر کے اعتبار سے انتہائی ضعیف ہوگئے ہیں مگر فکر و نظر کے معاملہ میں وہ اب بھی جوان ہیں۔ ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۹۰ء کو انہیں ربوہ میں منعقدہ شہداء ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کی استدعا کی گئی مگر وہ اپنی علالت کے باعث تشریف نہ لا سکے۔ —— البتہ قائد محترم سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کے نام انکا مکتوب گرامی موصول ہوا جو دراصل احرار کارکنوں کے نام پیغام ہے۔ افادۂ عام کے لئے ہدیۂ قارئین ہے۔ (ادارہ)

مکرم و محترم محسن قوم —— زید مجدہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ —— آپکا دعوت نامہ ملا، تو آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ اور اپنی شومئ قسمت پر افسوس ہوا کہ میں اس مقدس اجتماع میں حاضری سے محروم ہوں۔ پہلے طبیعت اس قابل تھی کہ مشکل یا آساں اس مقدس اجتماع میں شامل ہوکر اسکی برکات سے مستفیض ہوتا۔ مگر بیماری کے ایک تازہ حملے نے مجھے مضمحل کر دیا اور بوجہ ضعف گر گیا اور کچھ چوٹیں بھی آگئیں ہیں۔ اس لئے اپنی محرومی و شومئ قسمت پر سوائے افسوس کے اور کر ہی کیا سکتا ہوں۔

میں خادم احرار ہوں —— تھا —— اور رہوں گا —— انشاء اللہ! اتنے بڑے عہد کے لئے قوی اور مضبوط استدلال چاہیئے کیونکہ سیاسیات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے زندگی بھر کسی امر کا عہد بہت بڑے استدلال کے بغیر ممکن نہیں۔ اس دوامی عہد کے لئے میرے پاس بہت قوی اور مضبوط استدلال ہے وہ یہ کہ ایک طویل تجربہ

اور جماعت کے عملی مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مقاصد اور جماعت کے اعمال کے اعتبار سے پاک و ہند کی کوئی جماعت احرار اسلام کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ صرف جمعیۃ العلماء ہند جو ہماری عموماً حلیف رہی ہے۔ بڑی پر وقار جماعت تھی۔ ہمارے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ مگر اسکی بعض مجبوریاں ہیں اور ابتدار سے رہی ہیں کہ وہ ہندو کانگریس پارٹی کے خلاف دوٹوک فیصلہ نہ کر سکی۔ مگر احرارِ اسلام ایسی اسلامی حریت پسند جماعت ہے جس کے راستے میں کوئی بھی رکاوٹ حائل نہ ہو سکی۔ اور وہ بلا جھجک اپنے حصولِ مقصد کی خاطر دائماً رواں دواں ہے۔

ابتداءً بانیانِ احرار نے ہندو کانگریس سے مل کر کام شروع کیا تھا۔ اور اس کے سامنے بڑا مقصد غیر ملکی حکومت سے گلو خلاصی کرانا تھا۔ ہندو کانگریس کا بھی مقصدِ اولین یہی تھا۔ مگر زیادہ دیر تک کانگریس احرار کو ساتھ چلانے سے قاصر رہی۔ اس لئے احرارِ اسلام نے اپنا الگ پلیٹ فارم بنالیا جہاں تک غیر ملکی حکومت سے گلو خلاصی کا تعلق تھا۔ کاملاً ہندو کانگریس کا ساتھ دیتی رہی ہندو کی تنگ نظری نے مسلمانوں کو نظر انداز کیا۔ انہیں اپنا غلام بنانے کی کوشش کی تو احرار نے اپنا الگ پلیٹ فارم قائم کر کے بڑی شدت سے نوٹس لیا اور کانگریس کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر مسلم مفاد کے تحفظ کے لئے کمربستہ ہو گئے اور بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب رہے۔

مجھے یاد ہے کہ دہلی احرار کانفرنس میں مولانا مظہر علی اظہر نے مہاتما گاندھی پر جو تنقید کی اور مسلم مفاد کے تحفظ کے لئے جو جہاد فی دی وہ ایک انمٹ ریکارڈ ہے۔ احرار نے اپنا ایک اہم تبلیغی شعبہ بھی قائم کیا۔ جو آج تک چل رہا ہے۔ اور وہ تھا کادیانی سانپ کے منہ میں زہر یلی چھلی کو ناکارہ بنانا۔ آج احرار اجلے منہ کہہ سکتے ہیں کہ احرار اپنے دونوں مقاصد میں کامیاب رہے۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے۔ لیکن جماعت کو افسوس نہیں — کیونکہ یہ منزل ان کے مقاصد میں نہ تھی

ہم ببانگِ دہل کہہ سکتے ہیں کہ احرار نے انگریز کو ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ انگریز نے ہندوستان مسلمانوں سے ہی لیا تھا۔ سینکڑوں برس مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت کی تھی۔ ہندو ایک حد تک غلامی کا عادی ہو چکا تھا۔ اس لئے انگریز کی حکمرانی کا اسے زیادہ احساس ہی نہیں تھا۔ یہ مسلمان ہی تھے اور خصوصاً کارکنانِ احرار جنہوں نے قربانیاں دے کر ہندو عوام کو انگریزی حکومت کے مضرات سے آگاہ کیا۔ احرار لیڈر امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے رفقار کار چودھری افضل حق رح، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رح۔ محترم شیخ حسام الدین رح، مولانا داؤد غزنوی رح، مولانا گل شیر شہیدؒ۔ مولانا مظہر علی اظہر رح۔ اور دوسرے درجے کے بیشمار احرار کارکن ہندوستان کے طول و عرض میں اپنے تمام دنیاوی کاروبار چھوڑ کر عوام

کو انگریزی حکومت کے مضرات سے آگاہ کرنے کے لئے ایک عرصہ تک مصروفِ کار رہے۔ اِس سلسلے میں انگریزی غیظ وغضب کو بھڑکایا۔ اور قید وبند کو دعوت دی۔

اگر یہ حضرات اپنی انتہائی قربانیاں پیش کرکے عوام کو بیدار نہ کرتے تو انگریز دوامًا ہند پر مسلط تھا۔ ہندو عوام کو تو غلامی کا زیادہ احساس ہی نہ تھا۔ کیونکہ وہ صدیوں سے غلام چلے آتے تھے۔ اور مسلم عوام مایوسی کا شکار ہوکر رہ گئے تھے۔ اور ان کی حساسں ہی نہ تھا۔ کیونکہ وہ صدیوں سے غلام چلے آتے تھے۔ اور مسلم عوام مایوسی کا شکار ہوکر رہ گئے تھے۔ اور ان کی حساس رگ کو مایوسی نے ایک حد تک ناکارہ کردیا تھا۔

یہ احرار ہی تھے جنہوں نے اپنی جانی مالی قربانیاں دے کر عوام کو آزادی اور غلامی کے فرق کا احساس دلایا

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے طول وعرض کے طویل دَورے میں غلام نبی جانباز اور عبدالرحیم عاجز کی دلنواز نظموں نے عوام کو بیدار کردیا تھا۔ اور انگریز کے خلاف ایک جذبہ پیدا کردیا تھا۔ اگر احرار لیڈروں کی ہند کے طول وعرض میں کانفرنسیں اور تقریریں نہ ہوتیں تو ہندو عوام کو غلامی کا احساس تک نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ صدیوں کی غلامی سے مانوس ہو چکے تھے۔ یہ سہرا احرار کے سر رہے ہے جنہوں نے محنتِ شاقہ کرکے انہیں نیندِ غفلت سے بیدار کیا۔ اور آزادی کی نعمت سے روشناس کیا۔

مردم نما قادیانی ایک ایسا سانپ تھا۔ جو منہ میں زہر کی تھیلی لئے ہوئے مصروفِ عمل تھا۔ اور مسلمانوں کو طول وعرض ہند میں ڈسنے اور اس کے دل ودماغ سے اسلامی روح نکال کر انگریز کی غلامی کا جُوا ان کے گلے میں ڈالنے کے لئے دن رات کوشاں تھا اور ہزاروں مسلمانوں کو ڈس کر ان سے اسلامی روح کو ختم کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھا۔ برطانیہ عظمیٰ کی پوری سلطنت اس کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ اور ہر قسم کے سامان و اسباب سے اُسے لیس کر رہی تھی۔

ان سے قادیان جاکر ٹکر لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ چونکہ احرار کا مقصدِ حیات ہی یہی تھا کہ مسلمانوں کو ہر قسم کی دینی و دنیوی آفات سے بچایا جائے۔ اس لئے خدا کا نام لے کر وہ اس کٹھن میدان میں کود پڑے اور میرے جیسے ناکارہ نااہل کو حوصلہ دے کر قادیان جاکر دفترِ احرار سنبھالنے پر آمادہ کرلیا۔ ورنہ کہاں میں عاجز نحیف و نااہل اور کہاں قادیان مشکلوں کی آماجگاہ دفترِ احرار —— یہ سب احرار کی قربانی تھی کہ قادیان جو ایک عرصے سے ہر حق گو کے لئے قتل گاہ تھی۔ وہ سفاک قوم دس برس کے طویل عرصے میں میرا بال بیکا نہ کرسکی۔ اور ایک موقعہ پر تو مرزا محمود نے اپنے خطبے میں کہہ دیا تھا کہ ان احراریوں نے تو ہمارے

لئے کادیان کو بلا بنا رکھا ہے کیا یہ میری برکت تھی، نہیں ہر گز نہیں —— بلکہ وہ مجھے ایک لمحے میں قتل کر سکتے تھے، اور کوئی نام بھی نہ لیتا۔ مگر حضرت امیر شریعت بُخاری اور ان کے مخلص رفقاء کی برکت تھی کہ وہ میری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ زہریلے سانپ کی زہر بھری تھیلی اس کے مُنہ سے نکال کر پھینک دی اور سانپ ایک ناکارہ جانور ہو کر رہ گیا۔ الحمدللہ علی ذالک!

احرار دوستو! آج بھی اپنے حوصلوں کو مضبوط کر لو تو قدرت تمہیں ضرور طاقت دے گی اور حضرت بخاری کی حوصلہ مند اولاد تمہارا ساتھ دے کر بڑی سے بڑی قُربانی دینے کے لئے آمادہ ہے۔ اللہ پاک اس خاندان کو رہتی دنیا تک مسلمانوں کی خدمت کے لئے قائم و دائم رکھے۔ آمین ثم آمین

عاجز احقر خادم احرار،

عنایت اللہ چشتی۔ چکڑالہ۔ (میانوالی)

اے عہدِ رفتہ

حضرت محترم سید عطاء المحسن صاحب بخاری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! ماضی میں لپٹے ہوئے کچھ تاثرات بر ضمن کشمیر —— لکھنے کے بعد بھیجنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ اگر مناسب خیال فرمائیں تو اشاعت سے نوازیں۔ عرصہ سے بیمار چلا آرہا ہوں۔ گھر پر پڑا رہتا ہوں کہیں آ جا نہیں سکتا۔ اور اسی میں عافیت سمجھتا ہوں۔ نہ وہ پہلا سا دم خم ہے۔ مجلس احرار اسلام کا شباب تھا۔ وہ چاق و چوبند تھی۔ میں بھی جوانی اور جذبات سے معمور تھا ؎

قدم قدم پہ جنوں اختیار کرتے تھے ٭ شباب تھا تو ستارے شکار کرتے تھے

کچھ سال پہلے متحرک تھا۔ جب سے سیاست نے پہیلی بن کر ہمہ جہت ——————

سچائی سے اعراض اور رُوگردانی کی یہ درویش بھی بر مصداق اٹھا لو پاندان اپنا گوشہ نشین ہو گیا۔ بزرگ رہنماؤں کی یادداشتیں دیکھ دیکھ کر پڑھ پڑھ کر دِل کو سنبھالتا رہتا ہوں۔ جنگِ آزادی کے دوران بزرگ رہنماؤں کے عمل کا عکس رہ رہ کر اُبھرتا ہے۔ تو بیساختہ آبدیدہ ہو جاتا ہوں۔ کوئی پُرانا دوست نہیں جسے

ویزہ ویزہ دل دکھا سکوں، لے دے کے پرانے ہم خیالوں میں محترم محمد حسن چغتائی صاحب تھے تو وہ اس سرزمین سے کفارہ کر گئے۔ اور کیا رکھا ہے یہاں۔ کچھ بھی تو نہیں۔ حضرت کیا عرض کروں۔ کچھ ہو تو کہوں۔ پرانی یادیں انکی صورتیں جب ذہن میں اُبھرتی ہیں تو دم گھٹ کے رہ جاتا ہے۔ آنکھوں سے اشکوں کی روانی یوں لگتا ہے جیسے کسی نے اٹک اور گولے مار دیئے ہوں۔ گزشتہ دنوں اپنی یادداشتیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ ان میں مرحوم جوش ملیح آبادی کی نظم سے معانقہ ہوگیا پڑھ کر دل تڑپ اُٹھا۔ ایک دو قطعے زیبِ نظر ہیں۔

شاخیں ہوئیں ڈونیم جو ٹھنڈی ہوا چلی
انگریز نے وہ چال برجور وجفا چلی

گم ہوگئی شمیم جو بادِ صبا چلی
برپا ہوئی برات کے گھر میں چلا چلی

خونِ چمن بہار کے آتے ہی بہہ گیا
اُترا جو طوق اور بھی دم گھٹ کے رہ گیا

دولت ملی تو اور بھی نادار ہو گئے
اُترا جو بار اور گراں بار ہو گئے

صحت ہوئی نصیب تو بیمار ہو گئے
آزاد یوں ہوئے کہ گرفتار ہو گئے

پگھلا جو آسمان تو زمیں سنگ ہو گئی
پو یوں پھٹی کہ صبحِ چمن دنگ ہو گئی

میری صحت کے لئے دعا فرمائیں۔ اب تو بالکل نحیف اور بوڑھا ہوگیا ہوں۔ تمام احباب کی خدمت میں السلام علیکم والسلام مع الاکرام ——— ننگِ اسلاف:

قدوس انصاری

خانۂ درویش۔ احمد پور شرقیہ، ۲۲ فروری

مرزا قادیانی کذّاب، کافر و مرتد، دھوکے باز ——— اور جھوٹا مدّعی نبوّت تھا ———

میرا لاہوری یا قادیانی مرزائیوں سے کوئی تعلق نہیں۔

——— احسان احمد سحر کی وضاحت

مکرّمی ! السلام علیکم !

ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" کی اشاعت پر دِلی مبارکباد قبول فرمائیں۔ آپ نے اِس کے ذریعہ امیرِ شریعتؒ کے مشن، عقیدہ ختم نبوت اور عظمتِ صحابہؓ کے تحفظ کا عزم کیا ہے۔ میری دِلی دُعائیں آپ کے ساتھ ھیں۔ آپ کے جریدہ مارچ ۱۹۹۰ء کے صفحہ ۶۳ پر جناب احمد علی محمودی کی تحریر: "کیا احسان احمد سحر مرزائی ھیں؟" شائع ہوئی۔ محمودی صاحب سے میری گزشتہ چھ سات برسوں سے واقفیت ہے۔ وہ تحفظِ ختم نبوت کے سلسلہ میں قادیانیوں کے خلاف پریس ریلیز لے کر میرے پاس آتے رہے جو میرے اپنے جریدے "نوائے احمد پور شرقیہ" میں شائع ہوتے رہے۔ جس کا ریکارڈ میرے پاس محفوظ ہے۔ انہوں نے مجھ پر تین الزامات عائد کئے ھیں جو سراسر معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ھیں۔ ذیل میں انکی تردید و وضاحت درج ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ بشیر احمد نام کا میرا کوئی ماموں قادیانی نہیں بلکہ بشیر احمد صاحب بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں جو میرے ماموں ہیں۔

۲۔ پرنس صلاح الدین عباسی (ایم این اے) کے والد محمد عباس عباسی کی رسم چہلم میں قرآن خوانی پر قادیانی مبلّغین کو بلایا گیا۔ لیکن مجھ سے منسوب کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ میں اللہ اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کسی بھی مبلّغ کو بلا کر نہیں لایا اور نہ ہی انتظامات سے میرا کوئی تعلق تھا۔ میں صرف رپورٹنگ کی حد تک محدود رہا۔

۳۔ جب میں لاہوری یا قادیانی مرزائی نہیں ہوں تو مجھے اس کے چھپانے سے کیا فائدہ؟ میں گزشتہ بارہ برس سے "چٹان" کا نمائندہ ہوں۔ ایجنسی میرے پاس نہیں وہ کسی مرزائی کو یہ ذمہ داری نہیں

(بقیہ صفحہ ۶۶ پر)

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے۔!

ہمارے دینی ادارے اور مستقبل کے منصوبے

مسلمان توجہ فرمائیں

★ — مجلسِ احرارِ اسلام دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب — دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک **تحریکِ ختمِ نبوّت** ہے۔

★ — پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمّتِ مُسلمہ میں دینی مزاج عام اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابرِ احرار نے ایک بات شدت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بُنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک یکجہتی پیدا ہونا مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم نے اُمّتِ مسلمہ کے تعاون سے اندرون و بیرونِ مُلک دینی ادارے قائم کئے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یُوں ہے :

★ مدرسہ معمُورہ —— مسجدِ نور، تغلق روڈ ملتان ——

★ مدرسہ معمُورہ —— دارِ بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان۔ فون: ۷۲۸۱۳

★ مدرسہ محمُودیہ معمُورہ —— ناگڑیاں ضلع گجرات ——

★ جامعہ ختمِ نبوّت —— مسجد احرار متصل ڈگری کالج ربوہ۔ فون نمبر: ۸۸۶ ——

★ مدرسہ ختمِ نبوّت —— سرگودھا روڈ ربوہ ——

★ دارُالعلُوم ختمِ نبوّت —— چیچہ وطنی۔ فون نمبر: ۲۹۵۳-۲۱۱۲ ——

★ مدرسہ ابُوبکر صدّیق —— تلہ گنگ ضلع چکوال ——

★ یُوکے ختمِ نبوّت مشن —— (ہیڈ آفس) گلاسگو، برطانیہ ——

یہ ادارے سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصُوبے، مسجد احرار ملتان، مدرسہ معمُورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیشِ نظر زمین کی خرید اور تعمیرِ نو۔ دفاتر کا قیام، بیرونی ممالک میں مُبلغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، پچاس کتابوں کی اشاعت ---- یہ تمام کام اُمّتِ رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

تعاون آپ کریں دُعا، ہم کرینگے اور اجر اللہ پاک دینگے — آئیے۔ آگے بڑھئے اور اجر کمائیے

سیّد عطاءُ المحسن بُخاری
مُدیر مدارس التحفیظ والمساجد
دارِ بنی ہاشم ○ پولیس لائنز روڈ ○ مُلتان
ترسیلِ زر کے لئے : اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان

Monthly
Phone : 72813
NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWWAT
Regd. L. No. 8755
MULTAN
Vol. 1
No. 4

زیرِ تعمیر:

فون: ۷۲۸۱۳

جامع مسجد ختمِ نبوت

دارِ بنی ہاشم ۔ مہربان کالونی ۔ ملتان

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

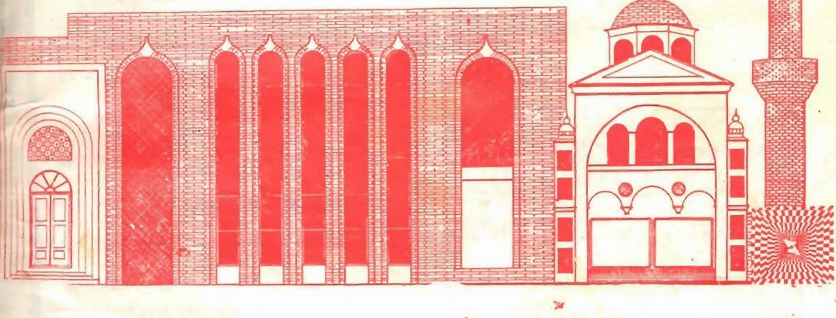

مسجد کی بنیادیں مکمل ہو چکی ہیں، تعمیر کی تکمیل میں بھرپور حصّہ لیں، نقد و سامانِ تعمیر

دونوں صورتوں میں تعاون فرمائیں ۔ ترسیلِ زر کیلئے:

منتظم و متوّلی ابنِ امیرِ شریعت سیّد عطاء المحسن بخاری، دارِ بنی ہاشم ۔ ملتان

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان